جدید شرعی مسائل



ڈاکٹر صاحبزادہ ابوالخیر محمد زبیر

ضیاء القرآن پبلی کیشنز
لاہور • کراچی • پاکستان

جدید شرعی مسائل

مؤلف

ڈاکٹر صاحبزادہ ابوالخیر محمد زبیر

ضیاء القرآن پبلی کیشنز
لاہور۔ کراچی ۔ پاکستان

نام کتاب	جدید شرعی مسائل
مصنف	صاحبزادہ ڈاکٹر ابوالخیر محمد زبیر
ناشر	محمد حفیظ البرکات شاہ
	ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور
تاریخ اشاعت	مارچ 2012ء
تعداد	ایک ہزار
کمپیوٹر کوڈ	AD46
قیمت	-/135 روپے

ملنے کے پتے

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

داتا دربار روڈ، لاہور۔فون:37221953 فیکس:۔042-37238010

9۔الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔فون:37247350 فیکس:37225085

14۔انفال سنٹر، اردو بازار، کراچی

فون:021-32212011-32630411۔ فیکس:۔021-32210212

e-mail:- info@zia-ul-quran.com

Visit our website:- www.zia-ul-quran.com

فہرست مضامین

انتساب

ملک المدرسین، فخر المناطقہ، فقیہ العصر، جامع معقول ومنقول، واقف فروع واصول، عالم نبیل، فاضل جلیل استاذی واستاذ الاساتذہ حضرت علامہ مولانا حافظ عطا محمد صاحب بندیالوی چشتی گولڑوی دامت برکاتہم العالیہ

کے نام

جن کے چشمہ علم وحکمت نے جہاں سینکڑوں نامور علماء، فقہاء، خطباء، مناظرین، محدثین اور مدرسین کو فیض یاب کر کے علم وعرفان کا ایک گلشن آباد کر دیا وہاں اس ذرہ بے مقدار کو بھی اپنے بے پایاں کرم سے نوازتے ہوئے اس کے قلب وجگر کو بھی شعور وآگہی کی خوشبوؤں سے مہکا دیا۔

ابوالخیر محمد زبیر

ابتدائیہ

میرے استاد محترم حضرت علامہ قاری عبدالرزاق صاحب دامت برکاتہم العالیہ جو صرف ایک عالم ہی نہیں بلکہ عابد و عارف بھی ہیں، سلف صالحین کا ایک بہترین نمونہ ہیں اور میرے والد گرامی اور مرشد نامی قطب وقت مفتی اعظم حضرت شاہ مفتی محمد محمود الوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی قائم کردہ سندھ کی عظیم دینی درسگاہ رکن الاسلام جامعہ مجددیہ کے بانی اراکین میں سے ہیں۔ ان کی طبیعت ناساز ہوگئی، پاکستان بلکہ ایشیا کے نامور سرجن ڈاکٹر ادیب رضوی نے بتایا کہ ان کے دونوں گردے بے کار ہوگئے ہیں۔ اگر کسی کا گردہ لگا دیا جائے تو ان کی جان بچ سکتی ہے لیکن کسی کا گردہ کیسے لگایا جائے......؟ علماء تو اس کو ناجائز بتاتے ہیں، فقیر کے کتب خانہ میں اس موضوع پر چند علماء کی کتب تھیں۔ فوراً ان کو دیکھا بالخصوص مفتی محمد شفیع صاحب کی کتاب ''انسانی اعضاء کی پیوندکاری'' اور علامہ غلام رسول سعیدی صاحب کی شرح صحیح مسلم میں اس موضوع پر تفصیلی مضمون پڑھا اور ان دونوں حضرات نے اس کے ناجائز ہونے کا جو فتویٰ دیا ہے اس کو دیکھ کر بڑا افسوس بھی ہوا اور تعجب بھی ہوا کہ اسلام میں جس انسانی جان کی حرمت و عزت خانہ کعبہ سے بھی زیادہ ہے ان علماء کی نظر میں یہ بے وقعت شے ہے ہم پر چونکہ بیت رہی تھی اس لئے انسانی جان کی قدر و قیمت کا ہمیں زیادہ احساس ہوا اور وہ بھی ایک عالم و عارف کی جان جس کی زندگی سے ہزار ہا مردہ دلوں کی زندگی وابستہ ہوتی ہے۔ ان کی بیماری نے اس علاج کی اہمیت میں مزید اضافہ کر دیا جب اس موضوع پر غور و خوض کرنا شروع کیا تو بہت سی آیات، احادیث اور فقہاء کے اقوال سامنے آئے جنہوں نے اس علاج کے جواز کو روز روشن کی طرح واضح کر دیا۔ ان دلائل کو اور مانعین کے دلائل کے جوابات کو صفحہ قرطاس پر منتقل کر کے اس کو کتابی شکل دے دی تا کہ ڈاکٹر حضرات اس طرف سے مطمئن ہو کر مخلوق خدا کی خدمت میں ہمہ

تن متوجہ ہو جائیں اور اللہ کے بندوں کی جانیں بچا کر ان کو نئی زندگیاں عطا کر کے دونوں جہاں میں سرخرو ہوں اور دارین میں رب کی رضا اور خوشنودی سے سرفراز ہوں۔ اس میں مزید چند جدید طبی مسائل کا بھی قرآن وحدیث کی روشنی میں حل پیش کر دیا ہے تا کہ عوام کے لئے یہ زیادہ سے زیادہ استفادہ کا باعث بن سکے۔

جماعت اہل سنت حیدر آباد کے ناظم اعلیٰ جناب مولانا قاری عبدالعزیز صاحب ان کے رفقاء اور حاجی منظور الٰہی صاحب اور حاجی صبور احمد صاحب لائق تحسین اور قابل تبریک ہیں جنہوں نے اس کتاب کی اشاعت میں مالی تعاون فرما کر اجر عظیم حاصل کیا۔ اللہ تعالیٰ ان حضرات کو اس کی جزائے خیر عطا فرمائے...... آمین

یارب العالمین!

میری اس حقیر سی کوشش کو اپنی اور اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں شرف قبولیت عطا فرما۔

یاارحم الراحمین!

میری اس حقیر کوشش کے سبب تیرے جن جن بندوں کی مشکلیں آسان ہوں اور جن جن کو نئی زندگیاں ملیں ان کے صدقہ میری قبر اور حشر کی مشکلیں آسان کر دے اور مجھے حیات ابدی سے سرفرازی عطا کر دے۔

یااکرم الاکرمین!

میری اس ادنیٰ سی کاوش کے سبب تیرے جن جن بندوں کو آنکھیں مل جائیں جن کی تاریک دنیا روشن ہو جائے اس کے صدقہ عصیان کی ظلمتوں اور گناہوں کی تاریکیوں میں ڈوبے ہوئے میرے دل کو اپنی عفوو مغفرت اور لطف ورحمت کے نور سے روشن فرما دے۔

یاغیاث المستغیثین!

حضرت علامہ قاری عبدالرزاق صاحب دامت برکاتہم العالیہ کو شفائے کاملہ اور صحت عاجلہ سے سرفراز فرما کے ان کے علمی اور روحانی فیض سے اپنے بندوں کو تادیر مستفیض

ہوتے رہنے کا موقعہ عطا فرمادے۔

ابوالخیر محمد زبیر

سجادہ نشین، آستانہ عالیہ رکویہ محمودیہ

مفتی و شیخ الحدیث، رکن الاسلام جامعہ مجددیہ

آزاد میدان ہیرآباد حیدرآباد

تاریخ 27 رمضان المبارک 1416ھ، 17 فروری 1996ء بروز ہفتہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحْمَدُہٗ وَ نُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

اعضاء کی پیوند کاری کی تین صورتیں ہیں۔

1- مصنوعی اعضاء

یعنی کسی بھی دھات یا لکڑی اور پلاسٹک یا کسی بھی مصالحہ کے مصنوعی اعضاء بنا کر انسانی جسم میں لگا دینا۔

2- جانوروں کے اعضاء

دوسری صورت یہ ہے کہ جانوروں کے اعضاء ضرورت کے وقت انسانی جسم میں لگا دیئے جائیں۔

3- انسانی اعضاء

تیسری صورت یہ ہے کہ مردہ یا زندہ آدمی کے اعضاء کسی دوسرے آدمی میں لگا دیئے جائیں۔ تینوں صورتوں کی تفصیل علیحدہ علیحدہ بیان کی جاتی ہے۔

مصنوعی اعضاء

اعضاء کی پیوند کاری کی پہلی صورت تو یہ ہے کہ کسی معذور اور بیمار کو جس عضو کی ضرورت اور حاجت ہو وہ عضو کسی سونے چاندی پیتل الغرض کسی بھی دھات یا کسی مسالے مثلاً پلاسٹک اور لکڑی وغیرہ کا بنا کر لگایا جا سکتا ہے، یہ صورت متقدمین اور متاخرین علماء اور فقہاء کے نزدیک بالاتفاق جائز ہے۔

دلیل

دلیل یہ حدیث مبارکہ ہے۔

عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ طَرَفَةَ اَنَّ جَدَّہٗ عُرْفَجَةَ بْنِ اَسْعَدَ قُطِعَ اَنْفُہٗ یَوْمَ الْکُلَابِ وَ اتَّخَذَ اَنْفًا مِنْ وَرِقٍ فَاَنْتَنَ عَلَیْہِ فَاَمَرَہُ النَّبِیُّ ﷺ اَنْ یَّتَّخِذَ اَنْفًا مِنْ ذَھَبٍ (جامع ترمذی، سنن ابوداؤد، سنن نسائی، مشکوٰۃ)

"حضرت عبدالرحمٰن بن طرفہ کہتے ہیں کہ ان کے دادا عرفجہ بن اسعد کی جنگ کلاب میں ناک کٹ گئی۔ انہوں نے چاندی کی ناک بنوا کر لگوا لی۔ اس میں بدبو پیدا ہوگئی تو نبی کریم ﷺ نے انہیں سونے کی ناک لگوانے کا حکم دیا"۔

اس حدیث مبارک سے ثابت ہوگیا کہ ضرورت اور حاجت کے وقت یعنی جب کسی کا کوئی عضو ضائع یا بے کار ہوگیا ہو تو اس کی جگہ پر مصنوعی اعضاء لگانا جائز ہے۔ حتیٰ کہ حدیث کی رو سے ضرورت کے وقت سونے، چاندی کے اعضاء لگانے کی بھی اجازت ثابت ہوگئی ہے۔ چنانچہ اس حدیث کے تحت امام ابو عیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں۔

وَقَدْرُوِیَ مِنْ غَیْرِ وَاحِدٍ مِنْ اَھْلِ الْعِلْمِ اَنَّھُمْ شَدُّوْا اَسْنَانَھُمْ بِالذَّھَبِ وَ فِیْ ھٰذَا الْحَدِیْثِ حُجَّۃٌ لَّھُمْ

"متعدد اہل علم سے مروی ہے کہ انہوں نے اپنے دانتوں کو سونے کے ساتھ باندھا اور اس حدیث میں ان کے لئے دلیل ہے"۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

وَبِہٖ اَبَاحَ الْعُلَمَاءُ اِتِّخَاذَ الْاَنْفِ ذَھَبًا وَ کَذَا رَبْطَ الْاَسْنَانِ بِالذَّھَبِ

"اسی حدیث کی بناء پر علماء نے سونے کی ناک بنا کر لگوانے اور سونے کے ساتھ دانتوں کے باندھنے کو جائز قرار دیا ہے"۔

پلاسٹک سرجری

آج کل ظاہری اعضاء بالخصوص چہرے کی پلاسٹک سرجری کا طریقہ بھی رائج ہوگیا ہے۔ اس کے متعلق ہمارے موجودہ دور کے علماء کا اختلاف ہے، مفتی محمد صدیق ہزاروی صاحب زید مجدہ کی رائے گرامی یہ ہے کہ......

"کسی شخص کے چہرہ پر کوئی دھبے یا داغ وغیرہ ہوں اور چہرہ بالکل بگڑ نہیں گیا ہو تو محض خوبصورتی کے لئے پلاسٹک سرجری جائز نہ ہوگی البتہ اگر ایسی صورت

پیدا ہو جائے کہ کسی حادثہ وغیرہ کی وجہ سے اس کی شکل و چہرے میں بہت زیادہ بگاڑ پیدا ہو جائے حتیٰ کہ وہ لوگوں کے سامنے نہ جا سکتا ہو یا لوگوں نے اس وجہ سے اس سے کنارہ کشی اختیار کر رکھی ہو تو ایسے شخص کو ایک اچھی صورت میں زندگی گزارنے اور لوگوں کے درمیان بلا تکلف آنے جانے کے لئے پلاسٹک سرجری کرانے میں کوئی حرج نہیں۔

(ماہنامہ السعید، شمارہ ستمبر 1995ء مضمون پوسٹ مارٹم اور پلاسٹک سرجری کی شرعی حیثیت)

شارح بخاری حضرت علامہ سید محمود احمد رضوی صاحب زید مجدہ کی اس بارے میں رائے گرامی اس کے خلاف ہے۔ وہ فرماتے ہیں......

اول تو بلا ضرورت کی قید بیکار ہے کیوں کہ کوئی شخص بلا ضرورت پلاسٹک سرجری جیسا مہنگا علاج نہیں کراتا ضرورت کے وقت ہی کراتا ہے۔ ثانیاً محض زیب و زینت کی بناء پر پلاسٹک سرجری کو شیطانی عمل قرار دینا بھی عجیب و غریب اور عقل شکن جملہ ہے، جائز زیب و زینت کو آپ نے کس دلیل شرعی سے ناجائز قرار دیا......؟ جب کہ فقہائے کرام نے یہاں تک لکھا ہے کہ مستورات کو اپنے خاوند کو خوش رکھنے کے لئے بناؤ سنگھار کرنا اور زیب و زینت کو اختیار کرنا کار ثواب ہے، بناء بریں زیب و زینت ہی کے لئے اپنے خاوند کو خوش کرنے کی نیت سے چہرہ کے بدنما داغوں، دھبوں اور مسوں کو ختم کرنے کے لئے پلاسٹک سرجری کرانا شیطانی عمل اور موجب لعنت ہرگز نہیں ہو سکتا بلکہ کار ثواب اور مستحب قرار پائے گا۔ (ماہنامہ رضوان)

دونوں علماء کی رائے آپ کے سامنے آ گئیں۔ اس سلسلہ میں احقر علامہ سید محمود احمد رضوی زید مجدہ کی رائے گرامی سے اس حد تک متفق ہے اور ان کی تائید کرتا ہے کہ داغ دھبے، مسے، مہاسے یا چیچک وغیرہ کے ذریعہ جو چہرہ پر بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے اس کا دور کرنا بھی ضرورت شرعیہ اور حاجت شرعیہ کے تحت آئے گا اس کے لئے بھی پلاسٹک سرجری جائز ہو

گی جس طرح کسی کا بالکل کوئی عضو نہ رہے یا کسی حادثہ کی وجہ سے بہت زیادہ بگاڑ پیدا ہو جائے، اس وقت پلاسٹک سرجری جائز ہوتی ہے اسی طرح ان صورتوں میں بھی پلاسٹک سرجری جائز ہوگی۔

لیکن فقیر حضرت علامہ محمود احمد رضوی صاحب زید مجدہ کی اس بات سے اتفاق نہیں کرتا کہ "بلاضرورت" کی قید ہی بے کار ہے کیوں کہ آج کل فیشن ایبل گھرانوں اور دولت مند خاندانوں کی بوڑھی خواتین بغیر کسی بیماری کے بلاضرورت صرف اپنے بڑھاپے کو چھپانے کے لئے اور ساٹھ سال کی عمر میں پھر سے پندرہ سالہ دوشیزہ نظر آنے کے لئے بھی پلاسٹک سرجری کرا رہی ہیں۔ جو بداہتاً بلاضرورت کے تحت آئے گا اور یقیناً ناجائز ہوگا خواہ وہ اپنے شوہر کو خوش کرنے کے لئے کریں یا اپنے دل کو خوش کرنے کے لئے ایسا کریں۔ بہر حال یہ قرآن وحدیث کی منشاء کے خلاف ہے۔ اور اللہ اور اس کے رسول کی ناراضگی کا باعث ہے۔

فقیر کی اس رائے کی تائید اردن کے ایک بہت بڑے عالم اور مفتی شیخ محمد سعید صاحب کے اس فتوے سے ہوتی ہے۔ جو حال ہی میں پاکستانی اخبارات میں شائع ہوا ہے کہ انہوں نے محض خوبصورتی کے لئے پلاسٹک سرجری کو ناجائز قرار دیا ہے۔

(جنگ کراچی جنوری 1996ء)

دلیل

اس سلسلہ میں ہماری دلیل وہی مندرجہ بالا حدیث عرفجہ ہے جس میں حضور ﷺ نے اپنے صحابی کو ان کی ناک کٹ جانے پر سونے کی ناک لگانے کی اجازت دی حالانکہ بغیر ناک کے بھی اچھا کام چل رہا تھا۔ ان کو سانس لینے میں کوئی پریشانی یا تکلیف نہیں تھی لیکن اس کے باوجود چونکہ چہرہ بدنما لگ رہا تھا اس لئے حضور ﷺ نے ان کو سونے کی ناک لگانے کا حکم فرمایا۔ جس سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ ہر وہ چیز جو چہرہ کی بدنمائی کا باعث بنے خواہ کسی حادثہ کی وجہ سے چہرہ کا بگاڑ ہو یا دانے پھنسی مہاسے کسی قسم کے دھبے وغیرہ یا کسی بھی بیماری کی وجہ سے چہرہ میں کوئی بدنمائی اور بگاڑ پیدا ہو گیا ہو تو اس کے دور کرنے

کے لئے پلاسٹک سرجری جائز ہوگی۔ محض حسن اور زیبائش کے لئے "بلاضرورت" پلاسٹک سرجری جائز نہیں ہوگی اس پر دلیل یہ آیت مبارکہ ہے۔.....

وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ (نساء:119)

"اور ضرور انہیں حکم دوں گا کہ اللہ کی بنائی ہوئی صورتیں بدل دیں"۔

یہ شیطان کا قول ہے جو قرآن میں نقل کیا گیا کہ وہ لوگوں کو ان کی بنائی ہوئی صورتیں بدلنے کا حکم دے گا، اس آیت مبارکہ کی تفسیر کرتے ہوئے حافظ اسماعیل ابن کثیر نے ایک حدیث بیان کی ہے جس کو بخاری و مسلم اور ترمذی نے بھی چند الفاظ کے ردو بدل کے ساتھ نقل کیا ہے۔ وہ حدیث مبارک یہ ہے......

لَعَنَ اللّٰهُ الْوَاشِمَاتِ وَالْمُسْتَوْشِمَاتِ وَ النَّامِصَاتِ وَالْمُتَنَمِّصَاتِ وَالْمُتَفَلِّجَاتِ لِلْحُسْنِ الْمُغَيِّرَاتِ خَلْقَ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ (تفسیر ابن کثیر جلد ۱ص ۸۸۰)

"اللہ تعالیٰ نے لعنت بھیجی گودنے والی اور گدوانے والی عورتوں پر اور چہرہ کے بال نوچنے والی اور نچوانے والی عورتوں پر اور حسن وزیبائش کے لئے (دانتوں کے درمیان) کشادگی پیدا کرنے والی، اللہ کی بنائی ہوئی صورت کو تبدیل کرنے والی عورتوں پر"۔

آیۃ مبارکہ کی تفسیر میں اس حدیث مبارک کے لانے اور اس حدیث مبارک میں "للحسن" کی قید کے اضافہ سے دو باتیں ثابت ہوگئیں۔

اول

پہلی یہ کہ "تغیر خلق" مطلقاً ممنوع نہیں بلکہ وہ "تغیر خلق" ممنوع ہے اور شیطانی فعل ہے جو بلاضرورت محض "للحسن" ہو یعنی آرائش وزیبائش اور فیشن کے لئے ہو اور وہ "تغیر خلق" جو بلاضرورت نہ ہو بلکہ کسی حاجت اور ضرورت کے تحت ہو وہ ممنوع نہیں جیسا کہ حدیث عرفجہ میں سونے کی ناک لگا کر "تغیر خلق" کی اجازت دے دی گئی...... اسی

طرح کسی حادثہ یا بیماری وغیرہ کی صورت میں جو چہرہ پرداغ، دھبے پیدا ہو جائیں جو چہرہ کی بدنمائی کا باعث ہوں وہاں پلاسٹک سرجری کے ذریعہ "تغیر خلق" جائز ہوگا جب کہ بڑھاپے کو چھپانے کے لئے اور نوجوان نظر آنے کے لئے محض فیشن اور حسن کی خاطر بلاضرورت پلاسٹک سرجری جائز نہیں ہوگی۔

ثانی

اور دوسری بات یہاں سے یہ بھی ثابت ہوگئی کہ زیب وزینت اور بناؤ سنگھار کی بھی دو قسمیں ہیں ایک محمود اور جائز دوسری مذموم اور ناجائز، وہ زیب وزینت اور آرائش و جمال جس میں "تغیر خلق" نہ ہو وہ شریعت میں محمود، پسندیدہ اور جائز ہے جیسے کہ مہندی، تیل، کنگھی اور مختلف قسم کے صابن، لوشن، کریمیں اور ہر قسم کے عطریات وغیرہ یہ سب جائز ہیں اور یہی زیب وزینت ہے جو بیوی کو اپنے شوہر کی رضا و خوشنودی کے لئے کرنا کار ثواب ہے۔ اسی کے لئے ارشاد رب العزت ہے

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ (اعراف: ۳۲)

"آپ فرمادیجئے کہ کون ہے وہ جس نے اللہ کی زینت کو حرام کیا جو اس نے اپنے بندوں کے لئے پیدا کی ہے"۔

اور اسی لئے حدیث شریف میں آیا ہے......

اِنَّ اللّٰهَ جَمِيْلٌ وَ يُحِبُّ الْجَمَالَ

(صحیح مسلم، کتاب الایمان ص ۱۴۷)

"بے شک اللہ تعالیٰ جمیل ہے اور جمال کو پسند فرماتا ہے"۔

اور وہ زیب وزینت اور آرائش و جمال جس میں "تغیر خلق" پایا جائے وہ ناجائز مذموم اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک ناپسندیدہ ہے، مندرجہ بالا حدیث اس پر شاہد ہے بالخصوص "والمتفلجات للحسن" یعنی حسن کی خاطر دانتوں کو کشادہ کرنے والیوں پر لعنت فرما کر یہ بتادیا کہ صرف حسن کے لئے چہرہ میں اتنا سا تغیر بھی شریعت کو گوارا نہیں اور

رب کو پسند نہیں کہ جب دانت صحیح ہوں تو بلا ضرورت ان دانتوں کے درمیان کشیدگی پیدا کر لی جائے لہٰذا جہاں اس سے بڑا تغیر و تبدل ہوگا جیسا کہ آج کل پلاسٹک سرجری کے ذریعہ چہرہ کی ساری ساخت بدل دی جاتی ہے۔ بھلا وہ شریعت میں کب روا اور جائز ہو سکتا ہے۔ ہاں ضرورت کے تحت اس کی اجازت حدیث عرفجہ سے ہم ثابت کر آئے ہیں۔

زیب و زینت اور آرائش و جمال کی مدح میں ہم نے ابھی جو آیت و حدیث نقل کی ہے اس سے اور بیوی کو اپنے شوہر کے لئے زیب و زینت کرنا مستحب ہے۔ اس فقہی جزئیہ سے حضرت علامہ محمود احمد رضوی صاحب زید مجدہ نے ہر قسم کی زیب و زینت کو جائز بلکہ مستحب قرار دے دیا ہے حالانکہ ہم نے ابھی قرآن و حدیث سے ثابت کر دیا کہ بعض حسن و جمال اور زیب و زینت مذموم اور رب کے نزدیک ناپسندیدہ بھی ہیں۔ وہ ہرگز ان آیات اور احادیث کے تحت داخل نہیں جن میں حسن و جمال کی تعریف کی گئی ہے۔ اگر محمود اور مذموم دونوں قسم کی زینتوں میں فرق نہ کیا گیا تو آیات اور احادیث میں تعارض واقع ہو جائے گا اور ان کے درمیان تطبیق مشکل ہو جائے گی۔

بہر حال خلاصہ یہ ہے کہ ضررت اور حاجت کے وقت پلاسٹک سرجری جائز ہے جب کہ بلا ضرورت محض زیب و زینت اور آرائش کے لئے پلاسٹک سرجری کرا کے تغیر خلق کی شریعت اجازت نہیں دیتی۔

جانوروں کے اعضاء

اعضاء کی پیوند کاری کی دوسری صورت یہ ہے کہ جانوروں کے اعضاء ضرورت مند انسانوں کو لگا دیئے جائیں اس میں متقدمین اور متاخرین فقہاء اور علماء کا اتفاق ہے کہ "حلال اور مذبوح (شرعی طور پر ذبح شدہ) جانوروں کے اعضاء سے انسانی جسم میں پیوند کاری کی جا سکتی ہے اور یہ جائز ہے جب کہ ہڈی، کھر، سینگ، بال اور دباغت کے بعد کھال یہ سب چیزیں سوائے خنزیر کے ہر جانور کی پاک ہوتی ہیں لہٰذا خواہ جانور حلال ہو یا حرام مذبوح ہو یا مردار (جب کہ مردار کی اس پر کوئی رطوبت نہ ہو) ان چیزوں سے انسانی

علاج اور ان کی انسانی جسم میں پیوند کاری بھی قطعاً جائز ہے۔

دلیل

اس پر دلیل یہ آیت مبارکہ ہے......

وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا ۚ لَكُمْ فِيْهَا دِفْءٌ وَّمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۝

"اور اس نے چوپایوں کو بھی پیدا کیا ان میں تمہارے لئے گرم لباس ہے اور بھی بہت فائدے ہیں اور ان میں سے تم کھاتے بھی ہو"۔ (النحل)

اس آیت مبارکہ سے معلوم ہوا کہ ان حلال جانوروں کے اعضاء کی پیوند کاری جیسے دیگر فوائد بھی ہم حاصل کر سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو ہمارے نفع اور فائدہ کے لئے پیدا فرمایا ہے فقہ حنفی کی معتبر کتاب درمختار میں ہے......

شعر المَيْتَةِ غيرَ الْخِنزِيْرِ عَلَى المَذْهَبِ وَ عَظْمُهَا وَ عَصَبُهَا عَلَى المَشْهُوْرِ وَ حَافِرُهَا وَ قَرْنُهَا الخَالِيه عَنِ الدُّسُوْمَةِ طَاهِرٌ

"اور مردار کے بال سوائے خنزیر کے امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مذہب پر اس کی ہڈی اور اس کے پٹھے مشہور روایت کے مطابق اور اس کے کھر اور اس کی سینگ جو چکناہٹ اور چربی سے خالی ہوں وہ پاک ہیں"۔

اسی عبارت کے تحت علامہ ابن عابدین اس کی دلیل ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

لِمَامَرَّ مِنْ حَدِيْثِ الصَّحِيْحَيْنِ مِنْ قَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِي شَاةِ مَيْمُوْنَةَ اِنَّمَا حَرَمَ اَكْلُهَا وَ فِي رِوَايَةٍ لَحْمُهَا فَدَلَّ عَلَى اَنَّ مَاعَدَا للحم لَا يَحْرُمُ فَدَخَلَتْ الْاَجْزَاءُ الْمَذْكُوْرَةُ فِيْهَا وَ فِيْهَا اَحَادِيْثُ اُخَرُ صَرِيْحَةٌ فِي الْبَحْرِ وَغَيْرِه ۔

"اس کی دلیل وہ حدیث جو صحیحین (بخاری و مسلم) میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے حضرت میمونہ کی بکری کے لئے فرمایا کہ اس کا کھانا

حرام ہے اور ایک روایت میں آتا ہے کہ آپ نے فرمایا اس کا گوشت حرام ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ گوشت کے علاوہ جو کچھ ہے وہ حرام نہیں لہٰذا مذکورہ اجزاء اس میں داخل ہو جائیں گے (اور جائز قرار پائیں گے) اس میں بطور دلیل بحر نے اور بھی احادیث ذکر کی ہیں"۔

اسی طرح عالمگیری میں ہے......

قَالَ مُحَمَّدٌ رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَلَابَاسَ بِالتَّدَاوِی بِالْعَظْمِ اِذَا کَانَ عَظْمَ شَاةٍ اَوْ بَقَرَةٍ اَوْ بَعِیْرٍ اَوْ فَرَسٍ اَوْ غَیْرِه مِنَ الدَّوَابِّ اِلَّاعَظْمَ الْخِنْزِیْرِ وَالْاٰدَمِیِّ فَاِنَّهٗ یُکْرَه التَّدَاوِی بِهِمَا (فتاویٰ عالمگیری جلد ۵، ص ۳۴۵)

"امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ جانوروں میں سے بکری یا گائے یا اونٹ یا گھوڑے یا دوسرے کسی بھی چوپائے کی ہڈی سے علاج کرنے میں کوئی حرج نہیں سوائے خنزیر اور آدمی کی ہڈی کے کیوں کہ اس سے علاج مکروہ ہے"۔

مذکورہ بالا حکم عام حالات میں ہے جب کہ اضطرار و مجبوری کی صورت میں یعنی جب جان بچانے کے لئے کسی حلال اور مذبوح جانور کے اعضاء نہ مل رہے ہوں اور کسی حرام یا مردار جانور کے اعضاء لگانے یا اس کے ذریعہ علاج سے مریض کی زندگی بچ جانے کا کوئی ماہر حکیم یا ڈاکٹر یقین دلاتا ہو تو ایسی صورت میں حرام یا مردار جانوروں کے اعضاء سے بھی علاج اور پیوند کاری جائز ہو جائے گی۔

دلیل

اس سلسلہ میں قرآن پاک کی یہ واضح آیت مبارکہ موجود ہے......

اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَیْکُمُ الْمَیْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِیْرِ وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَیْرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَیْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَیْهِ (بقرۃ: ۱۷۳)

"اس کے سواء کچھ نہیں کہ اللہ نے تم پر حرام کیا مردار اور خون اور سور کا گوشت

اور وہ جانور جس پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام پکارا گیا ہو تو جو لاچار اور مجبور ہو جائے (لیکن) نہ (اپنی) خواہش سے کھائے اور نہ ضرورت سے آگے بڑھے تو اس پر گناہ نہیں"۔

فتاوی عالمگیری میں حالت اضطرار کی تفصیل بیان کرتے ہوئے تحریر کیا گیا......

وَيَجُوْزُ لِلْعَلِيْلِ شُرْبُ الدَّمِ وَ الْبَوْلِ وَ اَكْلُ الْمَيْتَةِ لِلتَدَاوِى اِذَا اَخْبَرَهُ طَبِيْبٌ اَنَّ شِفَاءَهُ فِيْهِ وَلَمْ يَجِدْ فِي الْمُبَاحِ مَا يَقُوْمُ مُقَامَهُ (فتاویٰ عالمگیری جلد ۵، ص ۳۵۵)

"اور بیمار کے لئے خون اور پیشاب اور مردار کا بطور دوا کھانا جائز ہے جب کہ معالج یہ بتائے کہ اس مریض کی شفاء اسی میں ہے اور اس وقت کوئی مباح چیز اس کے قائم مقام نہ مل رہی ہو"۔

معلوم ہوا کہ اضطرار اور مجبوری کے وقت مندرجہ بالا شرائط کے تحت مجبور اور لاچار آدمی کے لئے حرام چیز سے نفع حاصل کرنا حلال ہو جاتا ہے لہٰذا اس اضطرار کی صورت میں خنزیر اور دیگر حرام جانوروں اور مردار کے اعضاء سے علاج اور انسانی جسم میں ان کی پیوند کاری جائز ہو جائے گی۔

انسانی اعضاء

پیوند کاری کی تیسری صورت یہ ہے کہ کسی زندہ یا مردہ انسان کا کوئی عضو لے کر کسی دوسرے شخص کے جسم میں لگا دیا جائے۔ قرآن وحدیث اور اقوال فقہاء کی روشنی میں یہ تیسری صورت بھی مندرجہ ذیل شرائط کے ساتھ جائز ہے اور شریعت اسلامیہ میں چند قیودات کے ساتھ اس کی اجازت دی گئی ہے۔ ان چند شرائط اور قیودات کی تفصیل یہ ہے۔

1۔ شدید ضرورت اور حاجت ہو یعنی کسی مریض کے لئے اس کے ماہر معالج کی یہ رائے ہو کہ اگر فلاں انسانی عضو اس کو لگا دیا جائے تو غالب گمان یہ ہے کہ اس کی جان بچ سکتی ہے یا اس کو اس مرض سے نجات اور شفاء مل سکتی ہے اس کے علاوہ اس کی جان بچنے یا اس کی شفاء کا

کوئی اور راستہ نہیں ہے تو ایسی صورت میں اس کی جان بچانے کی خاطر یا اس کی شفاء کی خاطر کسی آدمی کا عضو لے کر اس کو لگانا جائز ہوگا۔

2۔ اعضاء دینے والے کے لئے ماہر معالج کا یہ کہنا ہو کہ اس عضو کے دینے سے نہ یہ ہلاک ہوگا اور نہ اس کو کوئی شدید نقصان ہوگا، جیسے آج کل ڈاکٹر حضرات تمام ٹیسٹ مکمل کرنے کے بعد یہ رائے دیتے ہیں کہ اس شخص نے اگر اپنا ایک گردہ دے دیا تو نہ اس کی جان کو کوئی خطرہ ہے اور نہ ہی اس کو کوئی ضرر شدید لاحق ہوگا بلکہ اس کی صحت پر بھی کوئی خاص اثر نہیں پڑے گا تو ایسی صورت میں اس کا گردہ لینا جائز ہوگا اور اگر اس میں اس کی جان کی ہلاکت ہو یا ضرر شدید ہو جیسے کوئی شخص دل یا اپنے دونوں گردے یا اپنی آنکھ یا ہاتھ پیر وغیرہ اپنی زندگی میں عطیہ کر دے تو ایسا کرنا جائز نہیں ہوگا کیوں کہ ان صورتوں میں یا تو اس کی جان کی ہلاکت ہے یا ضرر شدید جب کہ یہ دونوں منع ہیں۔ ہاں البتہ ان اعضاء کے لئے وصیت کر سکتا ہے کہ میرے مرنے کے بعد میرے اعضاء لے لئے جائیں تو یہ صورت جائز ہوگی کیوں کہ موت کے بعد ہلاکت اور ضرر شدید دونوں چیزوں میں سے کوئی بھی نہیں پائی جائے گی۔

3۔ عضو دینے والا شخص اپنی رضا اور خوشنودی سے اپنی زندگی میں اپنا کوئی عضو دے یا مرنے کے بعد یہ عضو دینے کی وصیت کر جائے اور اس کے مرنے کے بعد اس کے تمام جائز ورثاء بھی اس عضو کے دینے پر راضی ہوں تو اس کا عضو لے کر کسی دوسرے انسان کو لگانا جائز ہوگا اور اگر اس کی رضا اور خوشنودی نہیں تو جبراً اس سے اس کی زندگی میں یا اس کے مرنے کے بعد اس کا کوئی عضو لینا جائز نہیں ہوگا۔ اسی طرح اگر اس کے مرنے کے بعد اس کے جائز تمام ورثاء اس کا عضو دینے پر راضی نہیں ہیں تو اس صورت میں بھی مرنے کے بعد اس کا عضو لینا جائز نہیں ہوگا۔

4۔ یہ اعضاء کا لین دین رضا کارانہ طور پر ہو، اس کی خرید و فروخت جائز نہیں۔ ہاں اگر کہیں یہ صورت ممکن نہ ہو کوئی رضا کارانہ طور پر دینے والا موجود نہ ہو اور شدید ضرورت اور حاجت

ہوتو اس صورت میں اس کا خریدنا بھی جائز ہوگا۔

دلیل اول

پہلی دلیل یہ ہے کہ شریعت اسلامیہ کا یہ ایک متفقہ اصول ہے کہ "اَلضَّرُوْرَاتُ تُبِیْحُ الْمَحْظُوْرَاتِ" کہ ضرورت ممنوعہ چیزوں کو جائز کر دیتی ہے اور یہ اصول قرآن کی اس آیت مبارکہ سے ماخوذ ہے۔

اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَیْکُمُ الْمَیْتَۃَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِیْرِ وَمَآ اُہِلَّ بِہٖ لِغَیْرِ اللّٰہِ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَیْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَیْہِ (بقرۃ: ۱۷۳)

"اس کے سواء کچھ نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر حرام کیا مردار اور خون اور سور کا گوشت اور وہ جانور جس پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام پکارا گیا ہو، تو جو لاچار و مجبور ہو جائے بشرطیکہ نہ خواہش سے کھائے اور نہ ضرورت سے تجاوز کرے تو اس پر کوئی گناہ نہیں"۔

معلوم ہوا جب جان جارہی ہو تو ضرورت کے وقت خنزیر کا گوشت اور مردار اور خون جیسی حرام چیزیں بھی جائز ہو جاتی ہیں چنانچہ الاشباہ والنظائر میں ہے......

اَلضَّرُوْرَاتُ تُبِیْحُ الْمَحْظُوْرَاتِ وَ مِنْ ثَمَّ جَازَ اَکْلُ الْمَیْتَۃِ عِنْدَ الْمَخْمَصَۃِ وَ اِسَاغَۃُ اللُّقْمَۃِ بِالْخَمْرِ وَالتَّلَفُّظُ بِکَلِمَۃِ الْکُفْرِ لِلْاِکْرَاہِ (ص ۱۱۲)

"ضرورتیں ممنوع چیزوں کو جائز کر دیتی ہیں اسی لئے بھوک کے وقت مردار کا کھانا اور (جب لقمہ گلے میں پھنس گیا ہو) اور پانی وغیرہ کچھ نہ ہو تو لقمہ کا شراب کے ذریعہ حلق سے اتارنا اور جبر و اکراہ کے وقت کلمہ کفر کہنا جائز ہو گیا"۔

اسی طرح گزشتہ اوراق میں ایک حدیث مبارک گزری کہ حضور ﷺ نے ایک صحابی کو جن کی ناک کٹ گئی تھی سونے کی ناک لگانے کی اجازت دے دی حالانکہ مردوں کے لئے سونے کا استعمال حرام ہے اور اس وقت کوئی اضطراری حالت بھی نہیں تھی کہ اگر وہ

سونے کی ناک نہ لگاتے تو ان کی جان کو کوئی خطرہ ہوتا بلکہ صرف ان کے علاج اور شفاء کے لئے حضور ﷺ نے ان کو سونے کی ناک لگانے کی اجازت دی۔ معلوم ہوا کہ حاجت کی صورت میں بھی یعنی کسی مرض سے نجات اور شفاء حاصل کرنے کے لئے بھی جب اس کے علاوہ اور کوئی صورت شفاء کی ممکن نہ ہو حرام چیز حلال ہو جاتی ہے اور اس سے نفع حاصل کرنا مندرجہ بالا اصول ''الضرورات تبیح المحظورات'' کے تحت جائز ہو جاتا ہے۔

چنانچہ درمختار میں ہے.....

قِیْلَ یُرَخَّصُ اِذَا عُلِمَ فِیْهِ الشِّفَاءُ وَلَمْ یُعْلَمْ دَوَاءٌ اٰخَرَ کَمَا رُخِّصَ فِی الْخَمْرِ لِلْعَطْشَانِ وَ عَلَیْهِ الْفَتْوٰی (درمختار)

''کہا گیا ہے کہ جب اس میں شفاء کا گمان غالب ہو (علم بمعنی ظن غالب) اور کسی دوسری دواء کا پتہ نہ ہو تو اس صورت میں رخصت دی جائے گی جیسے پیاسے کو شراب پینے کی اجازت دی گئی ہے اور اسی پر فتویٰ ہے''۔

اور اسی کے تحت شامی میں ہے.....

یَجُوْزُ اِنْ عُلِمَ فِیْهِ الشِّفَاءُ وَ لَمْ یُعْلَمْ دَوَاءٌ اٰخَر (شامی)

''(اور حرام سے علاج کرنا) جائز ہوگا اگر یہ گمان غالب ہے کہ شفاء اسی حرام سے علاج میں ہے اور اس کے علاوہ کسی دوسری دواء کا پتہ نہ ہو''۔

لہٰذا یہاں بھی کسی مریض کی جان بچانے یا اس کو کسی تکلیف دہ مرض سے نجات دلانے کے لئے کسی دوسرے کا عضو لیکر اس کے جسم میں اس کی پیوندکاری کرنا'' اگر حرام بھی ہو'' تو اس ضرورت اور حاجت کے وقت مندرجہ بالا اصول کے تحت مذکورہ بالا آیت شریفہ اور حدیث مبارکہ کی روشنی میں یہ حلال اور جائز ہو جائے گا اور اس وقت اس کی حرمت ختم ہو جائے گی۔

دلیل ثانی

دوسری دلیل یہ ہے کہ شریعت مطہرہ کا ایک یہ بھی اصول ہے کہ.....

اِذَا تَعَارَضَ مُفْسِدَتَانِ رُوعِیَ اَعْظَمُهُمَا ضَرَرًا بِارْتِکَابِ اَخَفِّهِمَا (الاشباہ والنظائر، ابن نجیم ص ۸۹، مہر محمد کتب خانہ)

یعنی جب دو برائیاں آدمی کو درپیش ہوں تو کم برائی کو اختیار کیا جائے گا۔

اس کی مثال دیتے ہوئے محقق ابن نجیم فرماتے ہیں کہ جیسے کسی کے جسم میں ایسا زخم ہے کہ اگر وہ نماز میں سجدہ کرتا ہے تو اس زخم سے خون رسنے لگتا ہے اور اگر سجدہ نہیں کرتا تو خون نہیں رستا تو ایسی صورت میں اس کو حکم دیا جائے گا کہ وہ بیٹھ کر نماز پڑھے اور اشارہ سے سجدہ کرے کیوں کہ یہاں بھی دو برائیاں تھیں ایک نماز کا حدث کی حالت میں یعنی بغیر وضو نماز پڑھنا اور دوسری برائی تھی سجدہ کا چھوڑ دینا لیکن چونکہ سجدہ کا چھوڑ دینا بغیر وضو نماز کے مقابلہ میں ہلکی برائی ہے اس لئے یہاں ہم نے اس کو اختیار کر لیا اور سجدہ چھوڑ دیا اور اس کو اشارہ سے سجدہ کرنے کا حکم دیدیا لیکن سجدہ کر کے خون نکلنے کی وجہ سے حدث کی حالت میں یعنی بغیر وضو نماز پڑھنے کی اجازت نہیں دی۔

اسی طرح کسی مضطر کے پاس اپنی جان بچانے کے لئے صرف دو چیزیں ہیں ایک مردار اور دوسرا کسی غیر کا مال، تو ایسی صورت میں علامہ طحاوی، ابن سماعہ اور کرخی جیسے فقہاء کا مختار قول یہ ہے کہ مردار کھانا بڑی برائی ہے جب کہ کسی دوسرے کا مال کھا لینا ہلکی برائی ہے۔ لہٰذا اس کو اجازت دی جائے گی کہ وہ ہلکی برائی کو اختیار کرے یعنی مال غیر کھا کر جان بچا لے لیکن اس وقت بڑی برائی یعنی مردار کھانے کی اس کو اجازت نہیں دی جائے گی۔

اسی طرح یہاں بھی اعضاء کی پیوند کاری کی صورت میں دو برائیاں ہیں۔ ایک کسی مریض کی ہلاکت اور اس کی قیمتی جان کا ضیاع جب کہ دوسری برائی ہے کسی آدمی کی حرمت یا میت کی حرمت کی پامالی۔ ظاہر ہے کسی آدمی کی ہلاکت اور اس کی جان کا ضیاع یہ بہت بڑی برائی ہے۔ جب کہ اس کے مقابلہ میں چھوٹی برائی کو اختیار کر لیں گے۔ یعنی حرمت آدمیت کی پامالی اگر بالفرض ہوتی ہے تو اس کو گوارہ کر لیں گے لیکن کسی جان کی ہلاکت جو بڑی برائی ہے اس کو ہرگز گوارہ نہیں کریں گے۔ جس طرح مردار اور مال غیر میں سے اھون البلیہ کو

اختیار کر کے دوسرے کا مال کھا کر جان بچانے کی اجازت دے دی گئی تھی اسی طرح یہاں بھی دوسرے کا عضو لیکر جان بچانے کی اجازت دے دی جائے گی یعنی حرمت آدمیت و میت کی پامالی اور جان کی ہلاکت میں سے اھون البلیہ حرمت کی پامالی کو اختیار کر کے جان بچانے کی اجازت دے دی جائے گی اور جان کی ہلاکت جو بڑی برائی ہے اس کو اختیار نہیں کیا جائے گا۔

دلیل ثالث

شریعت مطہرہ کا ایک یہ بھی متفقہ اصول ہے کہ بڑے فائدہ کی خاطر چھوٹے فائدہ کو چھوڑ دیا جائے گا۔ یہاں بھی دو فائدے ہیں ایک فائدہ ہے کسی جان کا بچانا اس کو شفاء دینا اور دوسرا فائدہ ہے آدمیت اور میت کی تعظیم و تکریم۔ ظاہر ہے کسی جان کو بچانے اور اس کو شفاء دینے اس کو مصیبت سے نجات دلانے سے بڑا فائدہ کون سا ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ ایک مقام پر فاضل بریلوی حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے ایک شعر کے دوسرے مصرعہ میں فرمایا۔

اور حفظ جان تو جان فروض غرر کی ہے

یعنی بڑے بڑے اہم فرضوں میں سے سب سے اہم فرض اور سب فرضوں کی جان کسی جان کا بچا لینا ہے۔ کسی جان کی حفاظت سب فرضوں سے زیادہ اور اہم فرض ہے لہٰذا کسی دوسرے کا عضو لینے میں بالفرض اگر آدمیت اور میت کی تکریم اور تحریم ختم بھی ہوتی ہے تو ہونے دیں گے۔ اس چھوٹے فائدہ کو چھوڑ دیں گے لیکن بڑا فائدہ یعنی جان کی حفاظت اس کو ہر حال میں حاصل کرنے کی کوشش کریں گے۔ تکریم آدمیت جیسے چھوٹے اور معمولی فائدہ کی خاطر حفظ جان جو "جان فروض غرر" ہے اس کو کسی صورت میں ترک نہیں کیا جائے گا۔ چنانچہ بحر الرائق میں لکھا ہے۔

لِاَنَّ ذَالِکَ تَسَبَّب فِیْ اَحْیَاءِ نَفْسٍ مُحْتَرِمَةٍ بِتَرْکِ تَعْظِیْمِ الْمَیِّتِ فَالْاَ حْیَاءُ اَوْلٰی (بحر الرائق جلد ۸، ص ۲۳۳)

"کیوں کہ تعظیم میت کے ترک میں ایک محترم جان کو زندگی مل رہی ہے لہٰذا جان بچانے اور زندگی بخشنے کو ترجیح دی جائے گی"۔

دلیل رابع

شریعت اسلامیہ کا ایک اصول یہ ہے کہ جب ایک چیز میں نفع اور نقصان کے دو پہلو ہوں لیکن نفع زیادہ ہو اور نقصان کم ہو تو نفع کو اختیار کر لیا جائے گا لہٰذا یہاں بھی ایک چیز ہے اور وہ ہے اعضاء کی پیوندکاری اب اس میں دو پہلو ہیں ایک نفع کا پہلو اور وہ ہے کسی کی جان کا بچ جانا یا کسی کو صحت اور شفاء حاصل ہو جانا اور دوسرا پہلو ہے نقصان کا اور وہ ہے کسی آدمی کا عضو لیکر آدمیت یا میت کی بے حرمتی کرنا لیکن چونکہ اس معاملہ میں جان کا بچ جانا یا کسی کو صحت مل جانا بہت بڑا نفع ہے لہٰذا اس نفع کو اختیار کر لیں گے اور کسی آدمی کا عضو لینے سے آدمیت یا میت کی جو بے حرمتی ہو گی اس نقصان کے پہلو کو نظر انداز کر دیں گے۔

مانعین کے اعتراضات

انسانی اعضاء کی پیوندکاری پر ہم نے ابھی جو چار دلائل ذکر کیے ہیں اس پر مانعین یعنی عدم جواز کا قول کرنے والے کچھ اعتراضات کرتے ہیں یا یوں کہہ لیجئے کہ ان دلائل کا وہ رد کرتے ہیں۔ آیئے ذرا ان کے اعتراضات کا جائزہ لیں۔

اعتراض اول

پہلی دلیل پر اعتراض کرتے ہوئے حضرت مولانا غلام رسول سعیدی صاحب زید مجدہ جو اس کے عدم جواز کے قائل ہیں وہ فرماتے ہیں......

ضرورت سے ممنوع چیز مباح ہو جاتی ہے اس سے پیوندکاری کا جواز لازم نہیں آتا کیوں کہ جو شخص اعضاء کٹوا رہا ہے اسے کوئی ضرورت ہے نہ اضطرار تو کس بناء پر ایک ممنوع چیز اس کے لئے مباح ہو گی۔

(شرح صحیح مسلم، از غلام رسول سعیدی ج ۲، ص ۸٦٦)

جواب

اس کا جواب یہ ہے کہ مثلاً وہ بیمار جس کو گردہ کی ضرورت ہے وہ تو مضطر ہے اور اس کو ضرورت ہے۔ اسی کے اضطرار اور ضرورت کی وجہ سے دوسرے کا عضو لینا اس کو جائز ہو گیا اس مجبور ولاچار آدمی کے اضطرار اور ضرورت کی وجہ سے جس آدمی کا یہ عضو لے رہا ہے اس کی حرمت ختم ہو جائے گی۔ جو شخص عضو دے رہا ہے اس کے لئے علیحدہ کسی دوسرے اضطرار کا ہونا کوئی ضروری نہیں ہے۔

دیکھئے امام اعظم ابوحنیفہ، امام شافعی اور امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کا یہ قول ہے کہ کوئی حاملہ فوت ہو جائے اور اس کے پیٹ میں زندہ بچہ ہو تو ماں کا پیٹ چاک کر کے بچہ کو نکال لینا جائز ہے۔ اب یہاں اضطرار کی حالت بچہ کی ہے نہ کہ ماں کی۔ ضرورت بچہ کو ہے نہ کہ ماں کو لیکن چونکہ بچہ کی ضرورت ماں کے ساتھ متعلق ہے لہٰذا ماں کا پیٹ چاک کرنا اس کی لاش کی بے حرمتی جو اشد حرام فعل تھا وہ جائز ہو گیا حالانکہ ماں حالت اضطرار میں نہیں بلکہ وہ تو مردہ ہے جہاں اضطرار اور عدم اضطرار کی بحث ہی نہیں کی جا سکتی تو ضرورت اور اضطرار ماں کو نہیں بلکہ صرف بچہ کو ہے اور اس کی وجہ سے پیٹ چاک ماں کا کیا جا رہا ہے" یعنی ضرورت یہاں ہے اور حرمت وہاں ختم ہو رہی ہے" اب میں معترضین سے کہتا ہوں جو جانبین میں اضطرار لازمی قرار دیتے ہیں وہ پہلے ماں میں اضطرار ثابت کریں پھر اس کے پیٹ کو چاک کرنے کی اجازت دیں حالانکہ اس کے تو وہ بھی قائل نہیں...... لہٰذا یہاں بھی ان کو عضو دینے والے کے اضطرار پر اصرار نہیں کرنا چاہیئے۔ جو آدمی بیمار ہے وہ مضطر اور ضرورت مند ہے اور اس کی ضرورت جس دوسرے شخص کے ساتھ متعلق ہے اس کا عضو لینا اور اس کو اپنا عضو کاٹ کر اسے دینا جائز ہو جائے گا۔ اس جان بلب مریض کی ضرورت اور اضطرار کی وجہ سے دینے والے کی حرمت ختم ہو جائے گی، جس طرح بچہ کی ضرورت اور اضطرار کی وجہ سے اس کی ماں کی لاش کی حرمت ختم ہو گئی تھی۔

اعتراض ثانی

دوسری دلیل کارد کرتے ہوئے علامہ غلام رسول سعیدی صاحب زید مجدہ فرماتے ہیں۔

دو برائیوں میں سے کم برائی کو اختیار کر لینا چاہیے۔ گزارش ہے کہ اعضاء کو کٹوانا تو برائی ہے لیکن کسی ضرورت مند کو یہ اعضاء کاٹ کر نہ دینا سرے سے کوئی برائی ہی نہیں ہے کیونکہ اس کا کسی انسان کو مکلف نہیں کیا گیا کہ وہ ضرورت مندوں میں اپنے اعضاء تقسیم کرے بلکہ اپنے اعضاء کاٹ کر دینے سے روکا گیا ہے جیسا کہ صحیح مسلم کی حدیث مذکورہ سے ظاہر ہے۔

(شرح صحیح مسلم، علامہ غلام رسول سعیدی ج ۲، ص ۸۶۶)

جواب

بے شک "مطلقاً" اعضاء کاٹ کر نہ دینا کوئی برائی نہیں بلکہ اس وقت اعضاء کا کاٹنا برائی لیکن جب اس کا تعلق کسی قیمتی جان کی ہلاکت سے ہو اور اس کے باعث ایک قیمتی جان ضائع ہو رہی ہو تو اب کاٹنا برائی نہیں ہوگا بلکہ نہ کاٹنا معیوب سمجھا جائے گا اگلے اوراق میں ہم متعدد آیات اور احادیث پیش کر رہے ہیں جس سے یہ مسئلہ واضح ہو جائے گا کہ اسلام میں ایک انسانی جان کی کیا اہمیت اور کتنی قدر و قیمت ہے اور قدرت رکھنے کے باوجود بغیر اپنا کوئی خاص نقصان کئے کسی کی جان نہ بچانے والا کتنا برا ہے اور اپنی تنگی اور تکلیف برداشت کر کے دوسروں کی خیر خواہی اور بھلائی چاہنے والا خدا کو کتنا پیارا اور محبوب ہے۔

اعتراض ثالث

تیسری دلیل پر اعتراض کرتے ہوئے علامہ سعیدی صاحب زید مجدہ اس کا یوں رد فرماتے ہیں......

"بڑے فائدہ کی خاطر چھوٹے فائدہ کو چھوڑ دینا چاہیے لیکن یہاں اپنے اعضاء کو کٹوا دینا یا ان کی وصیت کرنا چھوٹا فائدہ نہیں بھاری نقصان ہے"۔

اسی طرح چوتھی دلیل پر اعتراض کرتے ہوئے علامہ صاحب لکھتے ہیں......

"جب ایک چیز میں نفع اور ضرر کے دو پہلو ہوں اور ضرر کم اور نفع زیادہ ہو تو نفع کو اختیار کر لینا چاہیے۔ اس قاعدہ کا اطلاق بھی یہاں صحیح نہیں کیوں کہ اس قاعدہ کے مطابق اول تو نفع اور ضرر ایک شخص کے لحاظ سے ہے اور جس معاملہ میں ہم گفتگو کر رہے ہیں وہاں دو الگ الگ شخص ہیں۔ ثانیاً یہاں اعضاء کٹوانے میں اس شخص کو نفع بالکل نہیں۔ سراسر نقصان ہے"

(شرح صحیح مسلم، علامہ غلام رسول سعیدی ج ۲ ص ۸۶۷)

جواب

علامہ صاحب کا یہ فرمانا کہ یہاں چوتھے قاعدہ کا اطلاق صحیح نہیں اس سے میں متفق نہیں۔ فقیر کی نظر میں چوتھے قاعدہ کا یہاں مکمل طور پر اطلاق ہو رہا ہے۔ کیوں کہ قاعدہ یہ نہیں کہ کسی ایک "چیز" میں نفع وضرر کے دو پہلو ہوں تو نفع کو اختیار کیا جائے گا، بلکہ قاعدہ یہ ہے کہ کسی ایک "معاملہ" میں نفع وضرر کے دو پہلو ہوں تو نفع کو اختیار کیا جائے گا...... دیکھیے ابھی جو میں نے مثال عرض کی تھی اس میں ماں اور بچہ دو علیحدہ علیحدہ ذاتیں ہیں۔ بچہ کا نفع ہے لیکن ماں کا نقصان ہے۔ مگر چوں کہ معاملہ ایک ہے اور اس ایک معاملہ میں احیاء کا فائدہ اور نفع ہے جب کہ میت کی پامالی کا نقصان ہے لہٰذا اس نقصان کو نظر انداز کر دیا گیا اور نفع کو اختیار کر لیا گیا۔ معلوم ہوا کہ کسی ایک چیز میں نہیں بلکہ کسی ایک معاملہ میں نفع وضرر کے پہلو ہوں تو وہاں نفع کو ترجیح ہوگی لہٰذا یہاں بھی نفع اور ضرر اگرچہ دو علیحدہ علیحدہ ذاتوں کے لحاظ سے ہیں لیکن ایک معاملہ میں ہیں اور وہ ہے اعضاء کی پیوند کاری کا معاملہ لہٰذا اس قاعدہ کا اطلاق اس پر بھی ہوگا اور نفع والے پہلو کو ترجیح دی جائے گی۔ اسی طرح علامہ صاحب کا یہ فرمانا کہ "اعضاء دینے میں بھاری نقصان ہے اور اس میں نفع بالکل نہیں" یہ بھی شرعی لحاظ سے بالکل غلط ہے کیوں کہ اپنے بھائی کی زندگی یا اس کے سکھ کی خاطر کچھ قربانی دینے کو اسلام میں "ایثار" کہا جاتا ہے اور اس صفت کو اپنانے والا خدا اور اس کے رسول کو محبوب ہوتا ہے۔ وہ بے حد وحساب اجر وثواب کے علاوہ اپنے رب کی رضا اور خوشنودی حاصل کرتا ہے

جیسا کہ اگلے اوراق میں آنے والی آیات اور احادیث سے آپ کو بخوبی اندازہ ہو جائیگا۔ لہٰذا جو شخص اپنا عضو دے کر اپنے بھائی کی جان بچا رہا ہے وہ ایثار جیسی اعلیٰ صفت سے متصف ہو کر "رضائے الٰہی" کی عظیم ترین نعمت سے سرفراز ہو رہا ہے۔ یہ دولت اور نعمت اس کو حاصل ہو رہی ہے جس کے سامنے دنیا و مافیہا کی تمام نعمتیں، دولتیں اور فائدے ہیچ ہیں۔ ایسی لازوال نعمت اور ابدی فائدہ اور دائمی نفع حاصل کرنے والے کے لئے یہ کہہ دینا کہ اس کو کوئی فائدہ اور نفع نہیں بڑی تعجب خیز بات ہے۔ آپ کہتے ہیں اس کو بھاری نقصان ہے میں کہتا ہوں اس کا اتنا بھاری اجر اور ثواب ہے کہ کل قیامت کے دن جب نیکیوں کا پلہ ہلکا ہو گا تو اس وقت یہ ایک عمل اس کی نیکیوں کے پلہ کو بھاری کر کے اس کے لئے دوزخ سے نجات اور جنت کے حصول کا ذریعہ بن جائے گا جیسا کہ آئندہ اوراق میں حدیث ذکر کی جائے گی کہ ایک کتے کی جان بچانے کی وجہ سے ایک گناہ گار عورت کی نجات ہو گئی تو پھر اشرف المخلوقات اور وہ بھی ایک (مسلمان) نبی کے امتی کی جان بچانے والا کیوں نہ بخشا جائے گا۔ کیا دین و دنیا میں اس سے بڑا کوئی فائدہ ہو سکتا ہے......؟

مسئلہ کی اہمیت

آیئے ذرا قرآن و حدیث کی روشنی میں دیکھتے ہیں کہ کسی کی جان بچانے کی کیا اہمیت ہے اور بچانے والے کا کیا مقام و مرتبہ ہے اور کسی کی جان نہ بچانا کتنا برا فعل ہے۔ گردہ دے کر کسی کی زندگی بچانے، اس کو سکھ اور آرام پہنچانے کی خاطر خود تکلیف برداشت کرنے والا خدا اور اس کے رسول کی بارگاہ میں کتنا محبوب ہے اور قدرت رکھنے کے باوجود کسی کی جان نہ بچانے والا کتنا مبغوض ہے۔

اس سلسلہ میں چند آیات و احادیث پیش کی جاتی ہیں۔ تاکہ اس سے بخوبی اندازہ کیا جا سکے کہ اس اہم مسئلہ کو اسلام میں کتنی اہمیت حاصل ہے۔

قرآن کی روشنی میں

1- ارشاد پروردگار ہے

وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ (حشر:۹)

''اور اپنی جانوں پر ان کو ترجیح دیتے ہیں اگر چہ انہیں شدید محتاجی ہو''۔

اس آیت مبارکہ میں ان لوگوں کی مدح وستائش کی جارہی ہے جو دوسروں کی ضرورتوں کو اپنی ضرورتوں پر مقدم رکھتے ہیں۔ جو خود تکلیف اٹھا کر اپنے بھائیوں کو راحت اور آرام پہنچاتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ اگر گردہ جیسی چیز کی آدمی کو شدید حاجت ہوتی ہے جو لوگ اس کو بھی اپنے بھائیوں پر قربان کر دیتے ہیں وہ اس آیت کے بموجب اللہ کے نزدیک پسندیدہ بندے ہیں اور اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کی تعریف فرمارہا ہے جو ایسی ضروری اہم اور محبوب چیز بھی اپنے دوسرے بھائیوں کو دے دیتے ہیں اور اپنے نفسوں پر دوسروں کو ایسی چیزوں میں ترجیح دیتے ہیں جس کی ان کے نفسوں کو اور ان کی اپنی جانوں کو زیادہ ضرورت ہوتی ہے۔

اس آیت مبارکہ کی رو سے وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں لائق تحسین اور قابل صد تعریف ٹھہرے جو اپنے بھائی کی تکلیف کو محسوس کرتے ہوئے اس کی زندگی کو بچاتے ہوئے اپنا گردہ جس کی ان کو شدید حاجت ہوتی ہے وہ اپنے ضرورت مند بھائی کو عطیہ یا وصیت کر دیتے ہیں۔ وہ اپنی تکلیف کی پرواہ نہیں کرتے بلکہ اپنی جانوں پر اپنے بھائی کو ترجیح دے کر اللہ کے محبوب اور پیارے بن جاتے ہیں۔

2۔ حضرت ہود علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا............

وَ اَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ اَمِيْنٌ ﴿۶۸﴾ (اعراف)

''یعنی آپ نے فرمایا کہ میں تمہارا سچا خیر خواہ ہوں''۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ عام آدمیوں کے ساتھ ''خیر خواہی'' کرنا یہ کار انبیاء ہے اور بہت اجر وثواب کا کام ہے۔ ذرا اندازہ کیجئے کہ کسی کی زندگی بچانے اور اس کی تاریک زندگی کو روشن کرنے سے زیادہ اس کے ساتھ اور خیر خواہی کیا ہوسکتی ہے۔ لہٰذا جو شخص کسی اپنے مسلمان بھائی کو گردہ دے کر یا ان کی وصیت کر کے یہ عظیم خیر خواہی کا کام کرتا ہے وہ کس قدر اجر وثواب کا مستحق ٹھہرے گا اور خیر خواہی جیسے کار انبیاء کرنے کے باعث کس قدر

رب کا قرب حاصل کرے گا اس کا کوئی اندازہ نہیں کرسکتا۔

3- اللہ تعالیٰ فرماتا ہے............

مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ۭ وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا (مائدہ:۳۲)

''جس نے کوئی جان قتل کی بغیر جان کے بدلے یا زمین میں فساد کیے تو گویا اس نے سب لوگوں کو قتل کیا اور جس نے ایک جان کو جلایا اس نے گویا سب لوگوں کو جلایا''۔

اس آیت کے تحت تفسیر ابن کثیر میں ہے......

وَ قَالَ مُجَاهِدٌ فِي رِوَايَةٍ وَمَنْ اَحْيَاهَا اَيْ اَنْجَاهَا مِنْ غَرْقٍ اَوْ حَرْقٍ اَوْ هَلَكَةٍ (تفسیر ابن کثیر ج ۲، ص ۸۰)

''یعنی حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ ''ومن احیاہا'' کے معنی یہ ہیں کہ کسی آدمی نے کسی کو غرق ہونے سے یا جلنے سے یا کسی بھی قسم کی ہلاکت سے بچالیا تو گویا اس نے ساری انسانیت کو بچالیا''۔

اس آیت مبارکہ کا ترجمہ حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے یوں فرمایا......

''جس نے کوئی جان قتل کی بغیر جان کے بدلے یا زمین میں فساد کیے تو گویا اس نے سب لوگوں کو قتل کیا اور جس نے ایک جان کو جلایا تو اس نے گویا سب لوگوں کو جلایا''۔

حضرت غزالی زماں علامہ سید احمد سعید شاہ صاحب کاظمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس کا ترجمہ یوں فرمایا......

''جس نے بغیر قصاص کے یا زمین میں فساد پھیلانے کی سزا کے بغیر ناحق کسی کو قتل کیا تو گویا اس نے قتل کر دیا سب لوگوں کو جس نے اسے بچالیا تو گویا

اس نے بچالیا سب لوگوں کو"۔

مولانا احمد علی لاہوری اس کا ترجمہ یوں کرتے ہیں...........

"جس نے کسی انسان کو خون کے بدلے یا زمین میں فساد پھیلانے کے سواء کسی اور وجہ سے قتل کیا گویا اس نے تمام انسانوں کو قتل کیا اور جس نے کسی کو زندگی بخشی اس نے تو گویا تمام انسانوں کو زندگی بخشی"۔

ذرا غور فرمایئے کہ اسلام اور قرآن کی نظر میں ایک انسانی جان کی کس قدر اہمیت اور قدر و قیمت ہے کہ ایک جان کا بچانا پوری انسانیت کا بچانا، ایک کو زندگی بخشا پوری نوع انسانی کو زندگی بخشا اور ایک کو جلانا پوری نسل انسانیت کو جلانا شمار کیا جارہا ہے اور ایک کو نہ بچا کر ہلاک کرنا پوری انسانیت کو ہلاک کرنا شمار کیا جارہا ہے۔ اصل میں بتانا یہ مقصد ہے کہ انسانی جان بڑی قیمتی چیز ہے اگر تم کسی انسانی جان کو بچانے کی قدرت رکھتے ہو تو اس اہم معاملہ میں ہرگز تساہل نہ کرنا اس کی زندگی بچانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھنا اس کو ہر چیز پر فوقیت دینا یہ تمام فرضوں میں سب سے اہم فرض ہے۔

اس واضح آیت مبارکہ کے باوجود جو مفتیان کرام یہ فرماتے ہیں کہ نہیں......! جو شخص مرتا ہے تو اس کو مرنے دو لیکن گردہ لگا کر اس کو نہ بچاؤ اس کو زندگی نہ بخشو وہ نہ صرف یہ کہ اس آیت مبارکہ کا صریح انکار کر رہے ہیں بلکہ اس آیت میں ارشاد رب العزت کے بموجب وہ ساری انسانیت کے قاتل ہیں......!

حدیث کی روشنی میں

1-رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا......

عَنْ اَبِی رُقَیَّہ تَمِیْمِ بْنِ اَوْسِ الدَّارِی رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ الدِّیْنُ النَّصِیْحَۃُ (صحیح مسلم)

"حضرت ابی رقیہ تمیم بن اوس الداری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ دین خیر خواہی کا نام ہے"۔

یعنی لوگوں کے ساتھ خیر خواہی کرنا دین کی اساس اور بنیاد ہے۔ اس حدیث مبارک کی روشنی میں جو اپنے اعضاء دے کے اپنے بھائی کی جان بچا کر خیر خواہی کی ایک مثال قائم کرتا ہے وہ درحقیقت دین کی اساس اور بنیاد کو مستحکم کر رہا ہے۔

2- مسلمانوں کے ساتھ خیر خواہی کرنا اور ان کا بھلا چاہنے کی کتنی اہمیت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے بعض صحابہ کرام سے اس پر بیعت لی یعنی ان سے ہاتھ پکڑ کر عہد لیا کہ مسلمانوں کے ساتھ ہمیشہ خیر خواہی کرنا۔ چنانچہ حدیث مبارک میں ہے......

عَنْ جَرِيْرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ بَايَعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى اِقَامِ الصَّلٰوةِ وَ اِيْتَاءِ الزَّكٰوةِ وَالنُّصْحِ لِكُلِّ مُسْلِمٍ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

"حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے نماز پڑھنے، زکوٰۃ دینے اور ہر مسلمان کے ساتھ خیر خواہی کرنے پر بیعت کی"۔

(3) "حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی مومن نہیں ہوتا جب تک کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کے لئے وہی بات پسند کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے"۔

لہٰذا اگر کبھی خدانخواستہ کوئی ایسا وقت آ جائے کہ تمہاری جان کے لالے پڑ جائیں ایسے وقت میں تم یہ چاہو گے کہ کوئی تمہاری جان بچا لے تو اس کا تقاضا یہ ہے کہ اگر کسی دوسرے مسلمان بھائی پر ایسا وقت آ جائے تو تم اس کی جان بچانے کے لئے دوڑ پڑو۔

اب میں اس حدیث کی روشنی میں اس کے عدم جواز کا فتویٰ دینے والے علماء اور مفتیان کرام سے پوچھتا ہوں کہ اگر خدانخواستہ آپ پر یہ وقت آ جائے۔ کہ آپ کے گردے بیکار ہو جائیں۔ آپ اس دنیا میں چند لمحوں کے مہمان ہوں، ڈاکٹروں نے جواب دے دیا ہو، سب آپ کی زندگی سے مایوس ہو گئے ہوں، آپ کو سورہ یٰسین سنائی جا رہی ہو

اتنے میں آپ کا کوئی جاننے والا اپنا ایک گردہ آپ کو دے دے اور اس سے آپ کو دوبارہ زندگی مل جائے تو کیا اس کو پسند نہیں کریں گے......؟ اگرچہ اس وقت آپ زبان سے کچھ بھی کہیں لیکن میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ اس وقت آپ نہایت مسرور اور شاداں ہوں گے اور اپنا گردہ دیکر آپ کی جان بچانے والے کے آپ صمیم قلب سے ممنون ہوں گے۔ لہٰذا حدیث بالا کی روشنی میں جب آپ اپنے لئے یہ چاہتے ہیں کہ کوئی آپ کی زندگی بچائے تو آپ بھی اپنے مسلمان بھائی کی زندگی بچایئے اور بچانے کا مشورہ اور فتویٰ دیجئے اور ایسا کرنا حدیث بالا کی روشنی میں آپ کے کمال ایمان کی دلیل ہوگا۔

4- رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا......

وَعَنْ اَبِی هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ لَا یَرْحَمُ لَا یُرْحَمُ (بخاری و مسلم)

"حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا جو کسی پر رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا"۔

اس حدیث کی رو سے کسی مسلمان بھائی کو آدمی تڑپتا ہوا اور مرتا ہوا دیکھے لیکن اس کو ذرا رحم نہ آئے اور وہ گردہ یا کوئی عضو دیکر اس کی جان نہ بچائے تو کل اس پر بھی کوئی وقت پڑا تو کوئی اس پر بھی رحم نہیں کرے گا۔ وہ اگر کسی کے کام نہ آیا تو کل مشکل کے وقت کوئی اس کے بھی کام نہیں آئے گا۔

5- ارشاد گرامی ہے............

عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ اَلْمُسْلِمُ اَخُو الْمُسْلِمِ لَا یَظْلِمُهٗ وَلَا یُسْلِمُهٗ مَنْ کَانَ فِیْ حَاجَةِ اَخِیْهِ کَانَ اللّٰهُ فِیْ حَاجَتِهٖ وَمَنْ فَرَّجَ عَنْ مُسْلِمٍ کُرْبَةً فَرَّجَ اللّٰهُ عَنْهُ بِهَا کُرْبَةً مِنْ کُرَبِ یَوْمِ الْقِیَامَةِ وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللّٰهُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ (بخاری و مسلم)

”حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مسلمان مسلمان کا بھائی ہے وہ نہ اس پر ظلم کرے اور نہ اسے بے یارو مددگار چھوڑے۔ جب تک کوئی اپنے بھائی کی حاجت روائی میں لگا رہتا ہے اللہ اس کی حاجتیں پوری فرماتا رہتا ہے اور جو کوئی اپنے مسلمان بھائی کی دنیاوی تکلیف دور کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی قیامت کی تکلیف دور فرمادیتا ہے اور جو کسی مسلمان بھائی کی عیب پوشی کرتا ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی عیب پوشی فرماتا ہے“۔

اس حدیث مبارک میں واضح طور پر کسی دکھ اور تکلیف میں پھنسے ہوئے اپنے مسلمان بھائی کو بے یارو مددگار چھوڑنے کی ممانعت کی گئی ہے اور اس کی مشکل آسان کرنے اس کی تکلیف دور کرنے پر رب کے بہت سے انعام و اکرام کی خوشخبریاں سنائی گئی ہیں۔ لہٰذا گردہ کا عطیہ دے کر یا آنکھ وغیرہ کی وصیت کر کے مسلمانوں کی مشکل کشائی کرنے والے کے لئے عظیم مژدہ جانفزاء ہے۔ یہ نقصان نہیں بلکہ عظیم دینی اور اخروی فوائد کے حصول کا ذریعہ ہے۔

6- حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور اقدس میں ہونے والی جنگ یرموک کا ایک واقعہ ہمارے دعوے کے ثبوت میں ایک بہت بڑی دلیل ہے۔ واقعہ کچھ یوں ہے کہ جنگ کے اختتام پر حضرت شرجیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ میدان جنگ میں زخمیوں کو پانی پلاتے پھر رہے تھے کہ آپ نے حضرت حارث بن ہشام کو دیکھا کہ وہ زخموں سے چور ہیں اور جان بلب ہیں۔ آپ نے ان کو پینے کے لئے پانی دیا تاکہ ان کی جان بچ جائے۔ ابھی انہوں نے پانی پینے کے لئے منہ کھولا ہی تھا کہ قریب سے دوسرے زخمی کے کراہنے کی آواز آئی۔ انہوں نے اسی وقت پانی منہ سے ہٹا دیا حالانکہ وہ پانی پی کر اپنی جان بچا سکتے تھے لیکن انہوں نے فرمایا کہ پہلے میرے اس بھائی کو جا کر پانی پلاؤ یہ زخمی حضرت عکرمہ بن ابی جہل رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیارے صحابی تھے جو زخموں سے چور اس جہاں میں

چند لمحوں کے مہمان تھے۔ حضرت شرجیل نے پانی ان کی طرف آگے بڑھایا تاکہ یہ پی کر اپنی جان بچالیں ابھی انہوں نے پانی پینا ہی چاہا تھا کہ قریب سے ایک اور زخمی حضرت سہیل بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کراہنے کی آواز آ گئی۔ اس آواز کے آتے ہی حضرت عکرمہ نے پانی پی کر اپنی جان نہیں بچائی بلکہ بغیر پیئے پانی اپنے منہ سے ہٹا دیا اور فرمایا پہلے میرے بھائی کو پلاؤ تاکہ اس کی جان بچ جائے چنانچہ جب حضرت شرجیل وہ پانی لے کر حضرت سہیل کے پاس گئے تو وہ اس وقت جام شہادت نوش فرما چکے تھے۔ پھر وہ اس پانی کو لے کر واپس حضرت عکرمہ کے پاس آئے تو وہ بھی جان بحق ہو چکے تھے۔ پھر وہ اسی پانی کو لے کر پہلے والے زخمی حضرت حارث کے پاس آئے تو دیکھا کہ ان کی روح بھی قفس عنصری سے پرواز کر چکی تھی۔ (سیرت ابن ہشام)

الغرض اسلام کے ان تین عظیم سپوتوں نے ایک دوسرے کی خاطر اپنی جانیں قربان کر کے یہ سبق دے دیا کہ اپنے بھائی کی زندگی کی خاطر اپنی زندگی کو قربان کر دینا یہ ایثار کا بڑا بلند مقام اور محبوبیت کا نہایت اعلیٰ مرتبہ ہے اور اسلام کا زریں سبق ہے۔

اب وہ مفتیان کرام ذرا غور فرمائیں جو اپنے مسلمان بھائی کی زندگی بچانے کے لئے ایک گردہ دینے پر بھی حرمت کے فتوے لگا رہے ہیں جس میں دینے والے کا کوئی خاص نقصان بھی نہیں ہوتا جب کہ صحابہ کا طریقہ ان کی سنت اور ان کا ''عملی فتویٰ'' یہ ہے کہ اپنی جان دے کر بھی اپنے بھائی کی زندگی بچتی ہے تو اپنے بھائی کی خاطر اپنی جان دینے سے بھی گریز نہ کرو۔

ذرا غور فرمائیں کہ جب بھائی کی خاطر اپنی جان دینے میں کوئی حرج نہیں تو گردہ دینے میں کیا حرج ہے.....؟ اور جو مفتیان کرام گردہ یا دل دیکر اپنے بھائی کی جان بچانے کو حرام کہتے ہیں وہ اب یہاں کیا فتویٰ ارشاد فرمائیں گے.....؟ کیا یہ صحابہ کرام جنہوں نے اپنے بھائیوں کی خاطر اپنی جانیں قربان کر کے ایثار کی ایک ایسی مثال قائم کی ہے جو تاریخ اسلام میں سنہری حروف سے چمک رہی ہے اور جس کو بیسیوں علماء اور محققین نے اپنی اپنی کتابوں

میں نقل کر کے اسلام کی عظمت کو اس واقعہ کے ذریعہ آشکارا کیا ہے ان مفتیان کرام کے فتوے کی رو سے اپنی جان بچانے کا فرق ادا نہ کر کے اپنے بھائی کے لئے اپنی جان دینے کے "حرام فعل" کا ارتکاب کر کے معاذ اللہ کیا یہ صحابہ کرام حرام کی موت مرے......؟ معاذ اللہ استغفر اللہ۔

7- حضور اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔......

لَزَوَالُ الدُّنْيَا اَهْوَنُ عِنْدَ اللّٰهِ مِنْ قَتْلِ رَجُلٍ مُسْلِمٍ

(تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۴۷ ۸)

"بیشک دنیا کا نیست و نابود ہو جانا اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ آسان ہے اس سے کہ کسی مسلمان کو قتل کر دیا جائے"۔

اس حدیث مبارک نے ایک مسلمان کی جان اور زندگی کی اللہ تعالیٰ کے نزدیک اور دین اسلام میں جو اہمیت ہے اس کو بیان کر دیا کہ ساری روئے زمین اپنی تمام تر عظمتوں کے ساتھ ایک طرف اور ایک ادنیٰ سے مسلمان کی جان ایک طرف۔ پھر بھی یہ ساری زمین ایک مسلمان کی جان کے مقابلہ میں کچھ نہیں یہ خدا کا فیصلہ ہے اور مفتی کا فیصلہ یہ ہے کہ نہیں! آدمی کی جان سے زیادہ ایک آدمی کا گردہ قیمتی ہے جان جاتی ہے تو چلی جائے لیکن کسی کا گردہ ہرگز نہیں لیا جا سکتا۔

8- ارشاد رسول اللہ ﷺ ہے......

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ غُفِرَ لِامْرَأَةٍ مُوْمِسَةٍ مَرَّتْ بِكَلْبٍ عَلٰى رَاْسِ رَكِيٍّ يَلْهَثُ كَادَ يَقْتُلُهُ الْعَطَشُ فَنَزَعَتْ خُفَّهَا فَاَوْثَقَتْهُ بِخِمَارِهَا فَنَزَعَتْ لَهُ مِنَ الْمَاءِ فَغُفِرَ لَهَا بِذٰلِكَ قِيْلَ اِنَّ لَنَا فِي الْبَهَائِمِ اَجْرًا قَالَ فِيْ كُلِّ ذَاتِ كَبِدٍ رَطْبَةٍ اَجْرٌ (مشکوٰۃ، باب فضل الصدقہ، ص ۱۶۸، بحوالہ بخاری و مسلم)

"ایک بدکار عورت صرف اس لئے بخش دی گئی کہ وہ ایک کتے کے پاس سے

گزری تھی جو ایک کنوئیں کے پاس کھڑا پیاس کی وجہ سے اپنی زبان نکال رہا تھا اور بالکل مرنے کے قریب تھا۔ اس عورت نے اپنا موزا اتارا اور اس کو اپنے دوپٹہ سے باندھ کر اس کے لئے اس سے پانی نکالا بس اس کی وجہ سے وہ بخش دی گئی۔ صحابہ نے عرض کیا کہ کیا جانوروں کے ساتھ بھی اچھا سلوک کرنے پر ہمیں اجر ملے گا......؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہر تر جگر رکھنے والے (یعنی جاندار) کے ساتھ اچھا سلوک کرنے پر ثواب ہے"۔

غور فرمایئے ایک کتا جو مرنے کے قریب ہو اس کی اگر کوئی جان بچا لے تو جنت میں چلا جائے تو جو اشرف المخلوقات میں سے کسی کی جان بچائے گا وہ کیوں نہ جنت کا اعلیٰ مرتبہ پائے گا......؟ پھر صحابہ کرام کے حضور ﷺ سے سوال و جواب نے اس کی مزید وضاحت کر دی کہ جانوروں کے ساتھ حسن سلوک کا ثواب ہے تو آدمی کے ساتھ حسن سلوک اور اس کے مشکل وقت میں گردہ یا آنکھ وغیرہ کی وصیت کر کے اس کی مدد کرنے کا کتنا بڑا ثواب ہوگا وہ بیان سے باہر ہے۔

9-ایک اور فرمان رسول ﷺ......

عُذِّبَتِ امْرَأَةٌ فِي هِرَّةٍ اَمْسَكَتْهَا حَتّٰى مَاتَتْ مِنَ الْجُوْعِ فَلَمْ تَكُنْ تُطْعِمُهَا وَلَا تُرْسِلُهَا فَتَاْكُلُ مِنْ خَشَاشِ الْاَرْضِ

(مشکوٰۃ، باب فضل الصدقہ، ص ۱۶۸، بحوالہ بخاری و مسلم)

"ایک عورت کو صرف ایک بلی کی وجہ سے عذاب ہوا جس کو اس نے باندھ رکھا تھا یہاں تک کہ وہ بھوک کی وجہ سے مر گئی اس عورت نے نہ اس کو کچھ کھلایا اور نہ ہی اس کو آزاد چھوڑا کہ وہ خود زمین کے جانور کھاتی"۔

اس حدیث مبارک میں دعوت فکر ہے ان مفتیان کرام کے لئے جو اعضاء کے عطیہ دینے کی حرمت کے فتوے لگا کر جان بلب مریضوں کو موت کے منہ میں دھکیل رہے ہیں اور ان کو تڑپا تڑپا کر مار رہے ہیں۔ وہ غور کریں اور اس وعید سے ڈریں کہ جب ایک بلی کے

مارنے پر عذاب ہوسکتا ہے تو کسی آدمی کے مارنے پر کتنا عذاب ہوگا......؟

10-ایک اور ایمان افروز رسول ذیشان کا فرمان عالیشان......

تَبَسُّمُکَ فِي وَجْهِ اَخِيْکَ صَدَقَةٌ وَ اَمْرُکَ بِالْمَعْرُوْفِ صَدَقَةٌ وَ نَهْيُکَ عَنِ الْمُنْكَرِ صَدَقَةٌ وَاِرْشَادُکَ الرَّجُلَ فِي اَرْضِ الضَّلَالِ لَکَ صَدَقَةٌ وَ نَصْرُکَ الرَّجُلَ الرَّدِیَّ الْبَصَرِ لَکَ صَدَقَةٌ وَ اِمَاطَتُکَ الْحَجَرَ وَ الشَّوْکَ وَ الْعَظْمَ عَنِ الطَّرِيْقِ لَکَ صَدَقَةٌ وَ اِفْرَاغُکَ مِنْ دَلْوِکَ فِيْ دَلْوِ اَخِيْکَ لَکَ صَدَقَةٌ

(مشکوٰۃ، باب فضل الصدقہ، ۱۶۸، بحوالہ ترمذی)

"تیرا اپنے بھائی کے سامنے مسکرانا صدقہ ہے اور تیرا کسی اچھے کام کا حکم کرنا بھی صدقہ ہے اور تیرا کسی برے کام سے منع کرنا بھی صدقہ ہے اور تیرا کسی کو بے نشان جگہ پر راہ بتلا دینا بھی صدقہ ہے اور تیرا کسی اندھے یا کم نظر آنے والے کی مدد کرنا بھی صدقہ ہے اور تیرا کسی راستہ سے پتھر اور کانٹا اور ہڈی کا ہٹا دینا بھی تیرے لئے صدقہ ہے اور تیرا اپنے ڈول سے اپنے بھائی کے ڈول میں ڈالنا بھی تیرے لئے صدقہ ہے"۔

اس حدیث مبارک میں وَ نَصْرُکَ الرَّجُلَ الرَّدِیَّ الْبَصَر (کسی اندھے یا کم نظر آنے والے کی مدد کرنا) کے الفاظ خاص طور پر قابل غور ہیں کہ یہاں حضور ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ اندھے کو راستہ دکھا دو یا اس کا ہاتھ پکڑ کے لے جاؤ بلکہ ایک عام لفظ "نصرک" فرمایا جس کے معنی ہیں اس کی مدد کرنا۔ اس دانائے کل ختم الرسل ﷺ کو سب کچھ پتہ تھا کہ چودھویں صدی کے اندر سرجری اتنی ترقی کر جائے گی کہ لوگ اپنی آنکھوں کا عطیہ دے کر بھی اپنا نابینا بھائیوں کی مدد کریں گے اس لئے آپ نے "نصرک" کا عام لفظ ارشاد فرمایا جس میں راستہ دکھا کر اس کی مدد کرنا بھی آ گیا اور آنکھوں کا عطیہ دے کر اس کی مدد کرنا بھی

آ گیا۔ آپ نے نابیناؤں یا کم نظر آنے والوں کی ہر قسم کی مدد کی تلقین فرما کر اور اس کے ثواب کا ذکر کر کے مخلوق خدا کو آنکھیں عطیہ کرنے کی رغبت بھی دلا دی۔

11- سرورِ دوجہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا......

لَقَدْ رَأَيْتُ رَجُلًا يَتَقَلَّبُ فِي الْجَنَّةِ فِي شَجَرَةٍ قَطَعَهَا مِنْ ظَهْرِ الطَّرِيقِ كَانَتْ تُؤْذِي النَّاسَ

(مشکوٰۃ، باب فضل الصدقہ ص ۱۶۸، بحوالہ صحیح مسلم)

"بیشک میں نے ایک شخص کو جنت میں پھرتے ہوئے دیکھا اس وجہ سے کہ اس نے راستہ میں سے ایک ایسا درخت کاٹ دیا تھا جو لوگوں کو ایذاء پہنچاتا تھا"۔

سبحان اللہ......! راستہ میں درخت سے بندگان خدا کو جو معمولی سی تکلیف ہوتی تھی اس کو دور کرنے والے کے "جب سارے گناہ معاف ہو سکتے ہیں اور وہ جنت میں جا سکتا ہے تو وہ شخص جو نابینا کو آنکھیں عطا کر کے یا بلڈ یوریا کے مہلک مرض میں تڑپتے ہوئے جان بلب مریض کو گردہ دیکر ان کی سخت ترین اذیت اور تکلیف کو دور کرے گا اس کے کیوں نہ گناہ معاف ہوں گے اور وہ کیوں نہ جنت کی ابدی راحتوں کا مستحق ہو گا۔

کیا یہ "عقل و نقل" اور "روایت و درایت" کے خلاف بات نہیں کہ ایک کتے کی جان بچانے والا اور ایک لوگوں کی راہ سے درخت ہٹا کر ان کو راحت پہنچانے والا تو جنت میں چلا جائے اور ایک انسان کی جان بچانے والا اس کو سخت ترین ایذاء اور کرب سے نجات دینے والا صرف اس جرم میں جہنم میں جائے کہ اس نے کسی کی جان بچا کر کسی مسلمان کو سخت تکلیف سے نجات دے کر "حرام کام" کیوں کیا، حیرت ہے ان فتوؤں پر

عقل کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا عقل

جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

12- دوجہاں کے والی، رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے۔

مَنْ سَرَّ مُسْلِمًا بَعْدِي فَقَدْ سَرَّنِي فِي قَبْرِي وَ مَنْ سَرَّنِي فِي

قَبْرِیْ سَرَّہُ اللّٰہُ تَعَالٰی یَوْمَ الْقِیَامَۃِ (کنز العمال ج ۶، ص ۴۳۲)

''جس نے میرے بعد کسی مسلمان کو خوشی پہنچائی اس نے بلاشک وشبہ میری قبر میں مجھے مسرور کیا اور جس نے میری قبر میں مجھے مسرور کیا اس کو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن خوش کر دے گا''۔

کتنا بڑا مژدہ ہے ان لوگوں کے لئے جو اپنے مسلمان بھائی کو چھوٹی چھوٹی خوشیاں پہنچا کر اپنے رب اور اپنے آقا و مولا سرور دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رضا اور خوشنودی حاصل کر رہے ہیں۔ پھر ان کا تو کہنا ہی کیا جو آنکھیں اور زندگی جیسی عظیم نعمت کسی مجبور کی جھولی میں ڈال کر اس کے قلب کی بے پناہ فرحت وانبساط کا سامان کرتے ہیں اور اس طرح اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بے نہایت رضا اور بے پایاں الطاف وکرم سے اپنی جھولی کو مالا مال کر لیتے ہیں۔

مانعین کے دلائل کے جوابات

اعضاء کی پیوند کاری کے عدم جواز کے قائلین میں حضرت مولانا غلام رسول سعیدی صاحب زید مجدہ بھی ہیں جو اس کے عدم جواز کے ثبوت کے لئے مسلم شریف کی یہ حدیث پیش کرتے ہیں......

دلیل اول

حضرت طفیل دوسی کے ایک ساتھی کو سخت تکلیف ہو گئی اور جب وہ تکلیف ان کی برداشت سے باہر ہو گئی تو انہوں نے اپنے تیر کے پھل سے اپنی انگلیوں کے جوڑوں کو کاٹ لیا جس کی وجہ سے ان کے دونوں ہاتھوں سے اس قدر خون بہا کہ اس کے باعث ان کا انتقال ہو گیا۔ حضرت طفیل نے ان کو خواب میں دیکھا کہ وہ اچھی حالت میں ہیں لیکن دونوں ہاتھ ان کے لپٹے ہوئے ہیں حضرت طفیل نے پوچھا کہ اللہ نے تمہارے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف ہجرت کرنے کے سبب بخش دیا۔ حضرت طفیل نے جب ہاتھوں کے متعلق پوچھا کہ ان کو کیوں لپیٹا ہوا ہے؟ تو

انہوں نے کہا کہ مجھ سے یہ کہا گیا ہے کہ جس چیز کو تم نے خود بگاڑا ہے ہم اس کو درست نہیں کریں گے۔ حضرت طفیل نے یہ خواب حضور ﷺ سے بیان کیا۔ حضور ﷺ نے خواب سن کر فرمایا''اے اللہ اس کے ہاتھوں کو بھی بخش دے''۔ (صحیح مسلم جلد 1، ص ۷۴)

اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد حضرت مولانا غلام رسول سعیدی صاحب زید مجدہ تحریر فرماتے ہیں......

> اس حدیث سے واضح ہوا کہ انسان اپنے اعضاء کا مالک نہیں اور ان کو کاٹ نہیں سکتا۔ پورا عضو کاٹنا تو کجا صرف انگلیوں کے جوڑ کاٹنے پر اللہ تعالیٰ ناراض ہوا اور فرمایا'' لَنْ نُصْلِحَ مِنْکَ مَا اَفْسَدْتَ'' جس عضو کو تم نے بگاڑا ہے ہم اس کو درست نہیں کریں گے، جو لوگ زندگی میں اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے اعضاء کو کٹوا دیتے ہیں یا مرنے کے بعد کاٹ دیئے جانے کی وصیت کرتے ہیں کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ لوگ آخرت میں ان اعضاء سے محروم کر دیئے جائیں اور ان کا حشر آنکھوں یا دیگر اعضاء کے بغیر ہو۔

(شرح صحیح مسلم، غلام رسول سعیدی، جلد 1، ص ۸۶۶)

جواب

اس حدیث مبارک سے اعضاء کی پیوند کاری کے عدم جواز پر استدلال درست نہیں کیوں کہ اس حدیث مبارک کی رو سے وہ صحابی اپنے آرام کی خاطر اور اپنی تکلیف کی نجات کی خاطر اپنے اعضاء کو بگاڑنے اور خودکشی جیسے حرام فعل کے مرتکب ہوئے جس کی حرمت میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔ جب کہ یہاں ایک انسان اپنی خاطر نہیں بلکہ اپنے بھائی کی تکلیف رفع کرنے کی خاطر بلکہ اس کو زندگی عطاء کرنے کی خاطر ایک ایسے فعل کا ارتکاب کرتا ہے جس میں خودکشی یا ہلاکت تو کجا اس کی زندگی اور صحت پر بھی کوئی خاص اثر نہیں پڑتا۔ وہاں انگلیوں کے قطع سے جان چلی گئی جب کہ یہاں گردے کے قطع کرنے سے نہ جان جاتی ہے نہ صحت جاتی ہے۔ ایسی صورت میں اس حدیث سے پیوند کاری کے عدم جواز

پر کیسے استدلال درست ہو سکتا ہے ایک اعضاء کا کاٹنا مذموم ہے اور ایک اعضاء کا کاٹنا محمود ہے۔ مذموم وہ ہے جو ہلاکت تک لے جانے والا ہو اور محمود وہ ہے جس میں جان کی ہلاکت نہ ہو، مذموم وہ ہے جو اپنے آرام کے لئے ہو اور محمود وہ ہے جو دوسروں کے آرام کے لئے ہو۔ تو چونکہ آج کل اعلیٰ سرجری کے باعث گردہ وغیرہ کے عطیہ دینے والے کی جان جاتی نہیں اور لینے والے کی جان بچ جاتی ہے لہٰذا اس کے جواز بلکہ محمود ہونے میں کوئی شک نہیں اور اس قطع محمود کو قطع مذموم پر قیاس کرنا کسی طرح سے بھی درست نہیں۔

دلیل ثانی

مانعین کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ " وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بنی آدم " کہ اللہ تعالیٰ نے بنی آدم کو تکریم دی ہے اور یہ کاٹ پیٹ اس کی تکریم اور تعظیم کے خلاف ہے۔ لہٰذا اضطرار کی حالت میں بھی یعنی اگر کسی کی جان جا رہی ہے تو چلی جائے لیکن اس کی جان کو بچانے کے لئے بھی کسی آدمی کے کسی عضو کو کاٹ کر اس لئے نہیں لگایا جا سکتا کہ اس میں آدمیت کی حرمت کی پامالی ہے جو ہرگز جائز نہیں اس پر وہ فتاویٰ قاضی خان کی یہ عبارت بھی پیش کرتے ہیں......

مُضْطِرٌ لَمْ يَجِدْ مَيْتَةً وَ خَافَ الْهَلَاكَ فَقَالَ لَهُ رَجُلٌ اقْطَعْ اَيَدِى وَ كُلْهَا اَوْ قَالَ اَقْطَعْ مِنْ قِطْعَةٍ فكلها لا يَسْعه اَنْ يَفْعَلَ ذَالِكَ وَلَا يَصِحُ اَمْرُهُ بِهِ كَمَا لَا يَصِحُ لِمُضْطِرٍ اَنْ يَقْطَعَ قِطْعَةٍ مِنْ لَحْمِ نَفْسِهِ فَيَاكُلُ

(فتاویٰ قاضی خان علیٰ ہامش الہندیہ ج ۳، ص ۴۰۴)

"کسی شخص کو حالت اضطرار میں کھانے کے لئے مردار بھی نہ ملے اور اسے اپنی جان کے ہلاک ہونے کا خوف ہو اور اس سے ایک شخص کہے میرے گوشت کا ٹکڑا کاٹ کر کھالو تو مضطر کے لئے ایسے کرنا جائز نہیں ہے اور نہ اس کا امر کرنا صحیح ہے جیسا کہ مضطر کے لئے یہ صحیح نہیں ہے کہ وہ خود اپنا گوشت کاٹ کر کھالے۔"

اسی قسم کی عبارات فتاویٰ ہندیہ، شرح المہذب، المغنی، الشرح الکبیر، الدسوقی علی الشرح الکبیر اور حاشیہ الصاوی علی الشرح الصغیر میں بھی درج ہے۔

اسی طرح مبسوط میں ہے……

قِيلَ الانتفاع بِأَجْزَاءِ الْأَدمِيِّ لَمْ يَجُزْ النِجَاسَتُهُ وَ قِيلَ لِكَرَامَتِهِ وَ هُوَ الصَحِيحُ (مبسوط ج ۱۵، ص ۱۲۵)

''کہا گیا ہے کہ آدمی کے اجزاء سے انتفاع ناجائز ہے اس کے نجس ہونے کی وجہ سے اور بعض کہتے ہیں کہ یہ ناجائز ہے اس کی کرامت کی وجہ سے اور یہی قول صحیح ہے''۔

مانعین کے نزدیک صرف زندہ ہی نہیں بلکہ مردہ انسان کے اعضاء بھی لینے جائز نہیں کیوں کہ ان کے نزدیک زندہ اور مردہ کا حکم یکساں ہے اس حدیث کی بناء پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا……

كَسْرَ عِظَامُ الْمَيِّتِ كَكَسْرِهَا حيًا

(مصنف عبدالرزاق ج ۳، ص ۴۴۴)

چنانچہ اس کے عدم جواز کے ایک اور قائل مفتی محمد شفیع صاحب اس کی حرمت پر اسی دلیل سے استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں……

اگر انسان کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہو کہ اس کی کھال اور بال اور اعضاء کو قطع و برید کر کے استعمال کیا جائے تو یہ انسانی شرافت و تکریم اور منشاء تخلیق کائنات کے بالکل منافی ہے اس لئے انسانی اعضاء کی خرید و فروخت، کاٹ کر اس کو استعمال کرنا سنگین جرم اور سخت حرام قرار دیا ہے۔

(انسانی اعضاء کی پیوندکاری شریعت اسلامیہ کی روشنی میں، مفتی محمد شفیع، ص ۳۱)

جواب اول

مانعین کے اس استدلال کے جواب سے پہلے ایک تمہید ہے وہ یہ ہے کہ عرف و عادت

کے بعض احکامات زمانہ اور علاقہ کے لحاظ سے بدلتے رہتے ہیں چنانچہ ایک چیز کا ایک علاقہ میں حسن کے اندر شمار ہوتا ہے تو اسی چیز کا دوسرے علاقہ کی عرف وعادت کے مطابق قبح میں شمار ہوتا ہے۔ چنانچہ شریعت مطہرہ کے اس اصول کو امام ابو اسحاق شاطبی ایک مثال دے کر سمجھاتے ہوئے فرماتے ہیں......

وَالْمُتَبَدِّلَهُ مِنْهَا مَا يَكُوْنُ مُتَبَدِّلًا فِي الْعَادِةِ مِنْ حُسْنٍ اِلٰى قُبْحٍ وَ بِالْعَكْسِ مِثْلُ كَشْفِ الرَّاْسِ فَاِنَّهُ تَخْتَلِفُ بِحسب الْبِقَاعِ فِي الْوَاقِعِ فَهُوَ الَّذِىْ الْمُرْدَاتِ قَبِيْحٌ فِي الْبِلَادِ الْمَشْرَقِيْهِ وَ غَيْرَ قَبِيْحٍ فِي الْبِلَادِ الْمَغْرَبِيهِ فَالْحُكْمُ الشَّرْعِي يَخْتَلِفُ بِاخْتِلَافِ ذَالِكَ فَيَكُوْنُ عِنْدَ اَهْلِ الْمَشْرِقِ قَادِحًا فِي الْعَدَالَةِ وَ عِنْدَ اَهْلِ الْمَغْرِبِ غَيْرَ قَادِحٍ

(المرافقات ج ۲، ص ۲۰۹، ۲۱۰)

”بعض چیزیں حسن سے قبح کی طرف سے اور بعض قبح سے حسن کی طرف تبدیل ہو جاتی ہیں جیسے ننگے سر ہونا کہ مختلف علاقوں کے لحاظ سے اس کا حکم مختلف ہو جاتا ہے کیونکہ مشرقی ممالک میں ننگے سر ہونا معیوب شمار ہوتا ہے جب کہ مغربی ممالک میں ننگے سر ہونا کوئی معیوب بات نہیں۔ لہٰذا اس عرف و عادت کے اختلاف کی وجہ سے اس کا حکم بھی مختلف ہو جائے گا یعنی اہل مشرق کے یہاں عدالت میں ننگے سر ہونا قابل اعتراض کہلائے گا جب کہ اہل مغرب کے یہاں یہ کوئی قابل اعتراض بات نہیں ہوگی“۔

اس تمہید کے بعد اب جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ آدمی کی حرمت اور اس کی تعظیم و تکریم بڑی اہم چیز ہے اور جو امور اس کی تکریم کے خلاف ہوں اور توہین آمیز ہوں وہ جائز نہیں لیکن تکریم و توہین کے لئے شریعت نے کوئی اصول اور پیمانہ مقرر نہیں کیا۔ اس کا فیصلہ عرف و عادت کے مطابق ہوگا جب کہ عرف و عادت زمانہ اور

علاقہ کے لحاظ سے بدلتی رہتی ہے اس لئے ہم کہتے ہیں کہ بے شک پہلے زمانہ میں انسانی اعضاء کی قطع و برید انسانیت کی توہین شمار ہوتی تھی اور اس کو آدمیت کی حرمت اور اس کی تکریم کے خلاف تصور کیا جاتا تھا لہٰذا اس زمانہ میں یہ حرام تھا لیکن آج کے زمانہ میں اپنا عضو کسی کو عطیہ کرنا کوئی معیوب بات نہ رہی بلکہ اس کے برعکس فضیلت اور عظمت کی بات شمار ہوتی ہے فلاں وزیر صاحب نے یا فلاں اہم شخصیت نے اپنی آنکھ عطیہ کر دی ہے تو لوگ کہتے ہیں کہ وہ کیسا عظیم انسان ہے جس نے دوسروں کی بھلائی کے لئے یہ وصیت کی ہے۔ الغرض چونکہ زمانہ کے تغیر سے یہ عرف و عادت متغیر ہو گئی ہے لہٰذا اس کا حکم بھی بدل جائے گا۔ پہلے بے شک یہی فعل تکریم آدمیت کے منافی ہونے کے باعث حرام تھا لیکن آج کے دور میں تکریم آدمیت کا موجب ہونے کے باعث جائز ہو جائے گا۔

جواب ثانی

مانعین کے اسی استدلال کا دوسرا جواب یہ ہے کہ بے شک تکریم انسانیت اور حرمت آدمیت بڑی اہم چیز ہے لیکن شریعت مطہرہ میں انسانی جان بچانے سے زیادہ اس کی اہمیت نہیں دیکھئے اس پر سورہ مائدہ کی وہ آیت شاہد ہے جو اس فقیر نے پہلے نقل کی ہے جس میں رب کائنات نے صرف ایک جان کے ضائع ہونے کو ساری انسانیت کا ضیاع اور ایک جان کے بچانے کو ساری انسانیت کا بچانا فرمایا ہے یعنی یہ بتا دیا کہ تم ایک جان کو ضائع کر کے ساری انسانیت کو ختم کر رہے ہو تمام انسانوں کو ضائع کر رہے ہو جب کوئی رہا ہی نہیں تو اب تکریم کس کی......؟ کیونکہ تکریم تو ایک صفت ہے جو موصوف کے ساتھ قائم ہوگی جب انسان ہی ختم ہو گئے، ایک کو نہ بچا کر اس کو مار کر تم نے ساری انسانیت کو نیست و نابود کر دیا تو اب تکریم اور تحریم کس کی کرو گے......؟ تکریم کا تو بعد میں نمبر آئے گا موصوف کو تو باقی رکھو تاکہ صفت کا بعد میں اس کے ساتھ اتصاف ہو سکے۔

جو مفتیان کرام "تکریم" کو تو اہمیت دے رہے ہیں لیکن زندگی بچانے کو جو اصل ہے اس کی طرف کوئی توجہ نہیں دے رہے ان کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کوئی شخص بغیر وضو کے

نماز شروع کردے اور ایک مفتی صاحب یہ جانتے ہوئے کہ یہ بے وضو نماز پڑھ رہا ہے اس کو تلقین کریں کہ میاں رکوع و سجود اچھی طرح کرو، اپنی اس نماز میں خشوع و خضوع بھی پیدا کرو، طمانیت اور سکون کے ساتھ نماز پڑھو... تو ان سے یہی عرض کیا جائے گا کہ آپ بھی عجیب آدمی ہیں ایک ایسی چیز کے حسن اور نکھار کی آپ تلقین فرما رہے ہیں جس کا وجود ہی نہیں ہے کیونکہ بغیر وضو کے نماز ہی نہیں ہوتی جب نماز ہی نہیں ہے تو اس کے حسن و نکھار اور اس کی تحریم و تعظیم کی بات کرنا لایعنی اور مہمل ہے۔ پہلے اس کو تلقین کیجئے کہ وضو کر کے نماز پڑھے، جب نماز کا وجود قائم ہو جائے پھر اس کے نکھار اور اس کے نوک پلک سنوارنے کی بات کیجئے۔

اسی طرح یہاں بھی پہلے ایک انسان کو بچا کر ساری انسانیت کو بچانے کی بات کیجئے پھر اس کی تکریم و تحریم کی بات آپ کو زیب دے گی ورنہ ایک آدمی کی جان نہ بچا کر اس کو ختم کر کے آپ نے قرآن کے ارشاد کے مطابق جب ساری انسانیت ہی کو ختم کر دیا اب ''تکریم'' کس کی کرائیں گے؟

(ب) شریعت مطہرہ میں حرمت آدمیت سے زیادہ انسانی جان کے بچانے کی اہمیت ہے، فقیر کے اس دعوے پر مندرجہ بالا آیت مبارکہ کے علاوہ بعض فقہی جزئیات بھی اس کے مؤید ہے۔ دیکھئے یہ شرعی مسئلہ ہے کہ کوئی عورت مر جائے اور اس کے پیٹ میں زندہ بچہ ہے تو اس بچہ کی زندگی بچانے کی خاطر فقہاء نے عورت کے پیٹ کو چاک کرنے کی اجازت دی ہے۔ چنانچہ عبارت ملاحظہ ہو......

لَوْ اَنَّ حَامِلًا مَاتَتْ فِیْ بَطْنِهَا وَلَدٌ یَضْطَرِبُ فَاِنْ كَانَ غَالِبُ الظَّنِّ اَنَّهٗ وَلَدٌ حَیٌّ وَهُوَ فِیْ مُدَّةٍ یَعِشُ غَالِبًا یُشَقُّ بَطْنُهَا لِاَنَّ فِیْهِ اَحْیَاءَ الْاٰدَمِیِّ فَتَرْكُ تَعْظِیْمِ الْاٰدَمِیِّ اَهْوَنُ مِنْ مُبَاشِرَةِ سَبَبِ الْمَوْتِ (تحفۃ الفقہاء جلد ۳ ص ۳۴۳)

''اگر کوئی حاملہ مر جائے اور اس کے پیٹ میں کوئی بچہ حرکت کرتا ہو اور گمان

غالب یہ ہے کہ یہ بچہ زندہ ہے اور اتنی مدت کا ہے جس میں عام طور پر بچہ زندہ رہ جاتا ہے تو اس حاملہ کے پیٹ کو چاک کیا جائے گا اس لئے کہ اس میں ایک آدمی کو زندگی بخشنا ہے۔ پس آدمی کی تعظیم کو چھوڑ دینا آسان ہے اس سے کہ کسی زندہ کی موت کا سامان کیا جائے''۔

یہی مسئلہ فقہ حنفی کی کتاب درمختار میں اس طرح بیان کیا گیا......

حَامِلٌ مَاتَتْ وَوَلَدُهَا حَيٌّ يَضْطَرِبُ شُقَّ بَطْنُهَا

اس ہی جزئیہ پر فقہ حنفی کی معتبر کتاب البحر الرائق میں یوں دلیل دی گئی......

لِاَنَّ ذَالِکَ تَسَبَّبَ فِي اَحْيَاءِ نَفْسٍ مُحْتَرِمَةٍ بِتَرْکِ تَعْظِيْمِ الْمَيِّتِ (درمختار جلد 1، ص ۸۴۰)

کیونکہ یہاں تعظیم میت کا ترک ایک محترم جان کے احیاء اور بقاء کا سبب بن رہا ہے۔

غور فرمائیں مفتیان کرام جو احترام آدمیت اور احترام میت سے متعلق احادیث نقل کر کے اعضاء کے عطیہ دینے کی حرمت کو ثابت کرتے ہیں کیا اتنے بڑے بڑے فقہاء کی نظر میں وہ احادیث نہیں تھیں......؟ یقیناً تھیں اور ان کو آدمیت اور میت کے آداب اور احترام کا اچھی طرح پتہ تھا لیکن اس کے باوجود وہ حاملہ کے پیٹ کو چاک کر کے میت کی بے حرمتی کو جائز قرار دے رہے ہیں صرف اس لئے کہ شریعت مطہرہ میں آدمی اور میت کی حرمت سے زیادہ انسانی جان کو اہمیت حاصل ہے۔

لہٰذا اس فقہی مسئلہ کی روشنی میں یہ ثابت ہو گیا کہ کسی کی جان بچانے کے لئے اعضاء کا عطیہ دینے یا وصیت کرنے میں آج کل اگرچہ یہ کوئی معیوب اور تحریم آدمیت کے خلاف بات شمار نہیں ہوتی لیکن اگر بالفرض کوئی اس کو احترام آدمیت کے خلاف تصور کرتا ہے تب بھی کسی کی جان بچانے کی خاطر ایسا کرنا جائز اور درست بلکہ کار ثواب ہو گا۔ اس وقت احترام میت یا احترام آدمیت کو نہیں دیکھا جائے گا بلکہ سب کو چھوڑ کر ایک جان بچانے کی کوشش کی جائے گی کیوں کہ حرمت آدمیت کے مقابلہ میں انسانی جان بچانا زیادہ اہم ہے۔

(ج) ایک اور فقہی جزئیہ ہے کہ کوئی مضطر انسان کسی مردہ آدمی کو کھا کر اپنی جان بچا سکتا ہے یا نہیں......؟ مالکی اور حنبلی فقہاء کی رائے ہے کہ نہیں کھا سکتا جب کہ شوافع اور بعض احناف کی رائے یہ ہے کہ یہ کھا سکتا ہے کیوں کہ زندہ کی حرمت مردہ سے زیادہ ہے......

وَقَالَ الشَّافِعِيُّ وَ بَعْضُ الْحَنَفِيَّةِ يبَاحُ وَ هُوَ اَوْلٰى لِاَنَّ حُرْمَةَ الْحَيِّ اَعْظَمُ (المغنی جلد ۹ ص ۳۳۵)

احترام آدمیت اور احترام میت سے متعلق تمام آیات اور احادیث کے باوجود علماء کا ایک جان بچانے کی خاطر مردہ آدمی کو کھانے کی اجازت دینا اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ شریعت میں آدمی کی تحریم و تکریم سے زیادہ انسانی جان کی اہمیت ہے۔ لہٰذا اعضاء کی پیوندکاری کے مسئلہ میں بھی اس اصول کو پیش نظر رکھ کر اس کے جواز کا فیصلہ کیا جائے گا۔

(د) فقہاء نے یہ بھی ایک مسئلہ تحریر فرمایا ہے کہ اگر کسی مضطر کو کوئی ایسا شخص مل جائے جس کو کسی جرم کی وجہ سے شرعی طور پر قتل کی سزا سنائی گئی ہو تو وہ مضطر ایسے شخص کو قتل کر کے اس کا گوشت کھا کر اپنی جان بچا سکتا ہے۔ (المغنی جلد ۹ ص ۳۳۵)

یہ جزئیہ بھی ہمارے اس دعوے کی واضح دلیل ہے کہ کسی کی جان بچانے کو سب سے زیادہ اہمیت دی جائے گی اس کے مقابلہ میں ''حرمت آدمیت'' کا خیال نہیں کیا جائے گا۔

حرمت آدمیت کا مرتبہ بعد میں ہے پہلا مرتبہ انسانی زندگی کے بچانے کا ہے

لہٰذا وہ شخص جس کی زندگی کسی قتل کی سزا کے باعث ختم ہو رہی ہے اس سے اگر کسی دوسرے انسان کو زندگی مل جاتی ہے تو اس کے جسم سے انتفاع جائز ہوگا اور اب حرمت آدمیت کا کوئی خیال نہیں کیا جائے گا

(ر) آدمیت کی حرمت کی تو اسلام میں یہ حیثیت ہے کہ اگر کسی شخص نے کسی کا موتی نگل لیا اور وہ آدمی مر گیا تو بعض حالات میں اس شخص کا موتی دلوانے کے لئے بھی اس ''میت'' کے پیٹ کو چاک کرنے کی فقہاء نے اجازت دی ہے۔ چنانچہ فقہ حنفی کی معتبر کتاب درمختار میں ہے......

لَوْ بَلَعَ مَالَ غَیْرِہٖ وَ مَاتَ هَلْ یُشَقُّ قَوْلَانِ الْاَوْلٰی نَعَمْ (فتح)

(در مختار جلد 1، ص ۸۴۰)

"اور اگر کسی شخص نے کسی کا مال نگل لیا اور پھر مر گیا تو کیا اس کا پیٹ چاک کیا جائے گا؟ اس میں دو قول ہیں لیکن اولیٰ یہ ہے کہ چاک کیا جائے گا"۔

(فتح القدیر)

ذرا غور فرمایئے کہ فقہاء کی نظر میں احترام آدمیت اور احترام میت کے مقابلہ میں انسان کے مالی حق کو زیادہ اہمیت حاصل ہے تو پھر جہاں احترام آدمیت کے مقابلہ میں انسانی جان جیسی چیز آ جائے جس کی دنیا میں کوئی قیمت نہیں لگائی جا سکتی بھلا ایسی قیمتی اور اہم چیز کو کیسے نظر انداز کر دیا جائے گا اور اس کے مقابلہ میں احترام آدمیت اور احترام میت کو کیسے ترجیح دی جا سکے گی۔ ماننا پڑے گا کہ انسانی جان کی اہمیت احترام آدمیت اور احترام میت وغیرہ سے کہیں زیادہ ہے اور اس پر کسی کو ترجیح نہیں دی جا سکتی۔

علامہ ابن ہمام نے فتح القدیر میں (ج ۲ ص ۱۰۲) بحر الرائق نے (ج ۸ ص ۲۰۵) فتاویٰ قاضی خان (ج ۳، ص ۴۱۱) اور علامہ ابن عابدین نے شامی میں (ج ا، ص ۸۴۰) بھی اسی طرح لکھا ہے۔

قرآن و حدیث اور اقوال فقہاء تو انسانی جان کو اتنی اہمیت اور وقعت دیں لیکن آج کے بعض مفتیوں کی نظر میں یہ انسانی جان اتنی بے قیمت اور اتنی بے وقعت ہے کہ ایک آدمی سسک سسک کر جان دے رہا ہے۔ لیکن بغیر کسی نقصان کے اس کو بچانے کی قدرت رکھنے کے باوجود صرف احترام آدمیت اور احترام میت کے باعث کسی کو اس کی مدد کی اجازت نہیں اس تڑپتے ہوئے انسان کی بے کسی اور بے بسی کا کھڑے ہو کر تماشا دیکھتے رہو لیکن قدرت رکھنے کے باوجود اس کی مدد نہ کرو اس کی زندگی نہ بچاؤ اس کو اسی طرح ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرنے دو...... یہ کون سا اسلام ہے اور کہاں کی شریعت ہے......؟ یہ انتہائی سنگدلی، بے رحمی اور سفاکی ہے۔ اس کو اسلامی حکم کہنا اسلام کی توہین اور دین کی حرمت کی پامالی ہے۔ یہ

احترام انسانیت نہیں بلکہ تذلیل انسانیت ہے یہ تحریم آدمیت نہیں بلکہ تحقیر آدمیت ہے۔

جواب ثالث

مانعین نے جن بعض فقہی جزئیات سے استدلال کیا ہے۔ مثلاً یہ کہ فقہاء کا قول ہے کہ مضطر اپنی جان بچانے کے لئے کسی دوسرے آدمی کا یا خود اپنے جسم کے گوشت کا ٹکڑا کاٹ کر نہیں کھا سکتا۔ یہ اس کے لئے جائز نہیں اس سے ثابت ہوا کہ دوسرے کے اعضاء لینا اس سے انتفاع اور کسی کا اپنے اعضاء عطیہ کرنا یا وصیت کرنا جائز نہیں۔

ان کا جواب یہ ہے کہ بعض فقہاء کے ان ارشادات سے آپ کا استدلال کر کے اعضاء کے عطیہ کی حرمت کا قول کرنا درست نہیں کیوں کہ یہاں فقہاء نے اپنی جان بچانے کے لئے اپنا یا دوسرے کا گوشت کاٹ کر کھانے کی اس لئے اجازت نہیں دی کہ خون کے زیادہ بہہ جانے کے باعث اس کی اپنی یا دوسرے کی موت واقع ہو سکتی ہے تو گویا یہاں جان بچ نہیں رہی تھی بلکہ اس کی اپنی یا دوسرے کی جان جانے کا قوی اندیشہ تھا چنانچہ علامہ ابن قدامہ اس کی یہی وجہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں.....

وَلَنَا اَنَّ اَكْلَهٗ مِنْ نَفْسِهٖ رُبَّمَا قَتَلَهٗ فَيَكُوْنُ قَاتِلًا نَفْسَه وَلَا يَتَيَقَّنُ حُصُوْلُ الْبَقَاءِ بِاَكْلِهٖ (المغنی جلد ایک ص ۲۳۵)

"اور ہماری دلیل یہ ہے کہ آدمی کا اپنے جسم میں سے کسی حصہ کو کھانا بعض دفعہ اس کی موت کا سبب بن جاتا ہے اس طرح وہ خود اپنا قاتل ہو جائے گا اور اس کے کھانے سے اس کا زندہ رہنا یقینی نہیں"۔

اس سے یہ بات واضح ہو گئی کہ اجازت نہ دینے کی وجہ یہ ہے کہ یہاں اس کی جان بچنے کا نہیں بلکہ جان ضائع ہونے کا اندیشہ تھا۔ لہٰذا جہاں یہ اندیشہ نہ ہو وہاں یہ جائز ہوگا جیسے آج کل سرجری نے اتنی ترقی کر لی ہے کہ کسی عضو کے منتقل کرنے میں کسی ہلاکت یا نقصان کا کوئی اندیشہ نہیں ہوتا۔ لہٰذا یہ صورت اس مندرجہ بالا فقہی جزئیہ کے تحت نہیں آئے گی اور نہ فقہاء کے اس قول پر اس کو قیاس کرتے ہوئے حرام قرار دیا جائے گا کیوں کہ فقہاء

کے اس قول اور جزئیہ میں "جان کا نقصان" ہے جب کہ ہمارے مسئلہ میں دونوں جانوں کا "حفظان" ہے۔

دلیل ثالث

مانعین کی ایک دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ نے "مثلہ" سے منع فرمایا ہے اور اس میں مثلہ پایا جاتا ہے لہٰذا یہ حرام ہے چنانچہ حضرت مولانا غلام رسول سعیدی زید مجدہ اس دلیل کو کتب لغت کی روشنی میں تفصیل سے بیان کرتے ہوئے اعضاء کی پیوندکاری کے عدم جواز پر یوں استدلال فرماتے ہیں......

علامہ ابن منظور افریقی "مثلہ" کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ نے جانوروں کو مثلہ کرنے سے منع فرمایا اور مثلہ زدہ جانوروں کے کھانے سے بھی منع فرمایا اور مثلہ یہ ہے کہ جانوروں کو کھڑا کر کے اس پر تیر اندازی کی جائے یا زندہ جانوروں کے اعضاء کاٹ دیے جائیں۔ حدیث میں ہے آپ نے مثلہ سے منع فرمایا کہا جاتا ہے میں نے حیوان کو مثلہ کیا جب کہ اس کے اعضاء کاٹ ڈالے جائیں اور وہ بدہیئت ہو جائے۔

مَثَلْتُ بِالْمَقْتُوْلِ اِذَا جَدَعْتُ اَنْفَهُ وَ اُذُنَهُ اَوْ مَذَاكِيْرَهُ اَوْ شَيْئًا مِنْ اَطْرَافِهٖ

اور کہا جاتا ہے میں نے مقتول کو مثلہ کر دیا جب کہ مقتول کے ناک کان اور دوسرے اعضاء کاٹ دیے جائیں اور اس کا اسم مثلہ ہے۔ علامہ ابن کثیر اور علامہ زبیدی نے بھی مثلہ کا یہی معنی بیان کیا ہے اور اس میں دشمن کو ہلاک کرنے یا اس کی تذلیل کی قید نہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ زندہ یا مردہ کے اعضاء کاٹ ڈالنا یہ مثلہ ہے اور اسی سے رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے اور پیوندکاری کے لیے جس زندہ یا مردہ کے اعضاء کاٹ دیے جاتے ہیں اس عمل سے رسول اللہ ﷺ کے فرمان کی صریح مخالفت ہوتی ہے۔

(شرح صحیح مسلم، علامہ غلام رسول سعیدی، جلد ایک ص ۸۶۴)

جواب

اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ مثلہ کی تعریف دنیا کی ہر عربی لغت میں یہی ملے گی کہ "اعضاء کا کاٹنا" لیکن احادیث مبارکہ میں جس "انسانی مثلہ" سے ممانعت کی گئی ہے اس میں یہ معنی یقیناً شامل ہیں کہ کسی کو قتل کر کے اپنے انتقام کی آگ بجھانے کے لئے اس کے اعضاء کاٹ کر اس کی لاش کو مسخ کرنا کیوں کہ عرب میں اس وقت دشمنی نکالنے کا یہی وحشیانہ طریقہ رائج تھا جس سے نبی کریم ﷺ نے منع فرمایا لہذا جس پس منظر میں یہ ممانعت ہوئی اس کو اس ممانعت میں نظر انداز نہیں کیا جا سکتا مثال دے کر اس کی وضاحت کرتا ہوں......

مثال

جیسے قرآن پاک میں ارشاد ہے......

وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا یَنْفَعُكَ وَلَا یَضُرُّكَ (یونس:۱۰۶)

اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے تفسیر جلالین نے تَدْعُ کے معنی "تعبد" کے لکھے ہیں حالانکہ کسی عربی لغت میں "تدع" کے معنی "تعبد" کے نہیں۔ اس کا اتباع کرتے ہوئے حضرت فاضل بریلوی مولانا احمد رضا خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی اس کا ترجمہ یہ لکھا

"اور اللہ کے سواء اس کی بندگی نہ کر جو نہ تیرا بھلا کر سکے نہ برا"

حالانکہ تَدْعُ کے معنی بندگی کے کسی لغت نیں درج نہیں لیکن یہاں علماء کرام اور مفسرین عظام اس آیہ مبارکہ کے پس منظر کو دیکھتے ہوئے اس کے معنی بیان فرما رہے ہیں اور اس کا پس منظر یہ تھا کہ عرب کے مشرکین بتوں کو اپنا معبود اور خدا سمجھ کر پکارا کرتے تھے اور اس طرح کسی کو پکارنا یہ عبادت ہو جاتا ہے۔ اس لئے مفسرین نے اب "لاتدع" کے صرف معنی یہ نہیں کئے کہ کسی کو نہ پکارو کیوں کہ اگر اس کو مطلق رکھتے ہوئے ہر قسم کے پکارنے کی ممانعت ہو جائے اور کسی قسم کا پکارنے والا بھی مشرک ٹھہرے"۔ تو دنیا میں پھر کوئی بھی مسلمان نہیں رہے گا۔ گھر میں صبح سے شام تک کبھی اپنی ماں کو، کبھی اپنی بیوی کو، کبھی بچوں کو،

کبھی دوست احباب کو نہ معلوم کس کس کو آدمی پکارتا ہے۔ کیا یہ سب شرک ہو گیا......؟ ہرگز ایسا نہیں اس لئے محقق علماء نے اس کے مطلقاً پکارنے کے یہاں لغوی معنی نہیں کیے بلکہ اس آیت کے پس منظر کا لحاظ کرتے ہوئے اس کے مفہوم کو بھی اس میں شامل کر کے "تعبد" کے یہ معنی کیے کہ اللہ کے علاوہ کسی کو مت پوجو۔

اسی طرح یہاں بھی انسانی مثلہ کے لغوی معنی اگرچہ عام ہوں لیکن حدیث میں جب انسانی مثلہ سے ممانعت آئے گی تو اس میں اس ممانعت کے پس منظر کو ضرور ملحوظ رکھا جائے گا اور اس کا مفہوم بیان کرتے وقت اس کو ضرور شامل کیا جائے گا۔ لہٰذا انسانی مثلہ کے معنی یہ ہوں گے کہ کسی کو قتل کر کے بطور انتقام اس کے اعضاء کاٹ کر اس کی لاش کی تذلیل کرنا یہ منع ہے اور حرام ہے۔ ہمارے اس جواب کی تائید خود علامہ سعیدی صاحب کی لسان العرب کے حوالہ سے بیان کردہ عبارت سے ہوتی ہے جس میں انسانی مثلہ کے لئے مطلقاً کسی آدمی (خواہ زندہ ہو یا مردہ) کے اعضاء کاٹنے کو مثلہ نہیں کہا گیا بلکہ "قتیل" کے اعضاء کاٹنے کو مثلہ کہا گیا یعنی لفظ قتیل (مقتول) لا کر بڑی وضاحت کے ساتھ یہ بات آشکارا کر دی کہ مثلہ کے مفہوم میں یہ بات شامل ہے کہ اس کو قتل کر کے پھر اس کے اعضاء کاٹے جائیں۔ ظاہر ہے قتل کسی دشمنی ہی کی بنیاد پر ہو گا کوئی محبت سے تو قتل نہیں کرتا۔ لہٰذا لفظ قتیل نے بتا دیا کہ انسانی مثلہ کے مفہوم میں یہ چیز شامل ہے کہ کسی کو قتل کر کے اس سے اپنی دشمنی نکالنے کے لئے بطور انتقام اس کے اعضاء کاٹ کر اس کی لاش کی تذلیل کرنا یہ انسانی مثلہ کہلاتا ہے اور احادیث میں اسی کی ممانعت آئی ہے۔

جب کہ یہاں مثلہ کی تعریف ہی صادق نہیں آتی کیوں کہ بخوشی اپنا کوئی عضو دینے والا نہ مقتول ہے اور نہ کسی دشمنی کی بناء پر اس کے اعضاء کاٹے جا رہے ہیں نہ اس کی تذلیل ہو رہی ہے۔ بلکہ اس کے برعکس معاملہ ہے وہ کسی سے انتہائی محبت یا عقیدت رکھنے کے باعث انسانی ہمدردی کے جذبہ کے تحت اپنا کوئی عضو دینے کا اعلان کر کے اپنی عزت و تکریم میں اضافہ کر رہا ہے لہٰذا "مثلہ" کی ممانعت والی احادیث یہاں چسپاں کر کے اس کی

حرمت کا قول کرنا قرین انصاف نہیں۔

دلیل رابع

مانعین کی ایک دلیل یہ ہے کہ کوئی آدمی اپنے جسم کا مالک نہیں ہوتا لہٰذا وہ اپنے جسم کے متعلق وصیت نہیں کر سکتا کیوں کہ وصیت اپنی ملک میں کی جاتی ہے اور اس پر دلیل کے طور پر وہ یہ آیت پیش کرتے ہیں۔

ان اللّٰہ اشتریٰ من المؤمنین انفسھم واموالھم بان لھم الجنۃ

کہ اللہ تعالیٰ نے مومنین سے جنت کے عوض ان کی جانوں اور مالوں کو خرید لیا۔ لہٰذا اب ان کی جان اللہ کی ملکیت ہو گئی اب اس میں تصرف کا انہیں کوئی حق نہیں اس کے علاوہ دلیل کے طور پر وہ حدیث بھی پیش کرتے ہیں جس میں خودکشی کی ممانعت کی گئی ہے۔

چنانچہ مفتی شفیع صاحب اور علامہ سعیدی صاحب کے علاوہ سید ابو الاعلیٰ مودودی صاحب بھی اس کی حرمت پر یہی دلیل لاتے ہوئے کہتے ہیں......

اصل سوال یہ ہے کہ آپ اپنے جسم کے مالک خود کب ہیں......؟ مذہب ہی نہیں خود قانون بھی آپ کو اپنے جسم کا مالک قرار نہیں دیتا۔ اگر اپنے جسم کے مالک آپ خود ہیں تو پھر آپ کو خودکشی کی اجازت کیوں حاصل نہیں......؟ آپ اپنے آپ کو بیچ کیوں نہیں سکتے......؟ اب جس جسم پر جیتے جی آپ کے اختیارات کا یہ عالم ہے اسی جسم کے حصے بخرے کرنے کا آپ اس وقت کیا اختیار رکھتے ہیں جب آپ اسے چھوڑ کر جا چکے ہوتے ہیں......؟ اس وقت اگر ایسی کوئی اجازت آپ کو قانون دیتا ہے تو یہ قانون کا ستم ہے مذہب کا نہیں۔

(سید ابو الاعلیٰ مودودی، اردو مجالس سید مودودی ص ۳۱)

اس کا جواب یہ ہے کہ بے شک مندرجہ بالا آیہ کریمہ کی رو سے صرف ہمارا جسم ہی نہیں بلکہ ہمارے اموال بھی اللہ نے خرید لئے ہیں اور ان کا بھی وہ مالک ہو گیا ہے۔ بلکہ قرآن

کے ارشاد کے مطابق صرف ہماری جانوں اور مالوں کا ہی نہیں وہ تو کائنات کی ہر شے کا اصل اور حقیقی مالک ہے چنانچہ ارشاد رب العزت ہے......

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

"اور اللہ ہی کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے"۔

لیکن اس نے یہ چیزیں ہمیں دی ہیں اور ہمیں ان کا مالک بنا دیا ہے اور اس میں تصرف کا ہمیں اختیار بھی دیا ہے اس پر دلیل وہ آیات ہیں جن میں ان چیزوں کی نسبت قرآن میں ہماری طرف دی گئی ہے۔ مثلاً فرمایا......

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً (توبہ: ۱۰۳)

"آپ ان کے مالوں سے زکوٰۃ لیجئے"۔

دوسرے مقام پر فرمایا............

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ (نساء: ۲۹)

"اور اپنے نفسوں کو قتل مت کرو"۔

حتیٰ کہ بعض مقامات پر تو صاف طور پر "ملکیت" کی نسبت انسانوں کی طرف دیتے ہوئے فرمایا گیا............

وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ (نساء: ۲۴)

"یعنی تم پر حرام ہیں وہ عورتیں جو دوسروں کے نکاح میں ہیں مگر کافروں کی عورتیں جس کے تم مالک ہو وہ تم پر حرام نہیں"۔

ان آیات میں اموال اور نفس جن کا حقیقی مالک اللہ تعالیٰ ہے ان کی نسبت ہماری طرف کر دی گئی حتیٰ کہ کافر عورتوں کی ملکیت کی نسبت ہماری طرف فرما کر یہ بتا دیا کہ بیشک ان سب چیزوں کا حقیقی مالک تو اللہ تعالیٰ ہے لیکن اس کی عطا سے ہم بھی مالک ہیں اور اس کے دیئے ہوئے اختیار سے اس کی عطا کردہ ملکیت میں خواہ وہ نفس ہوں یا اموال ہم تصرف کا بجا طور پر حق اور اختیار رکھتے ہیں۔

لہٰذا جو شخص ایثار اور خیر خواہی کی آیات اور احادیث کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنے انفس اور اموال میں جو خدا نے اس کی ملکیت میں دے دیئے ہیں تصرف کر کے خدا کے بندوں کی زندگیاں بچاتا ہے اور ان کی مشکلیں آسان کرتا ہے وہ یقیناً خدا کی رضا اور خوشنودی کا مستحق ٹھہرے گا۔

مانعین کے خیال کے مطابق اگر انسان سے ہر قسم کی ملکیت اور تصرف کی نفی کر دی جائے تو اجر و ثواب کا تصور ہی ختم ہو جائے گا کیوں کہ جب ''ان اموال'' کے ہم مالک ہی نہیں یہ اموال ہمارے ہیں ہی نہیں تو پھر ان کو صدقہ و خیرات کرنے کا ہمیں کیوں ثواب ملے یہ تو ایسا ہی ہے جیسے ''حلوائی کی دکان اور نانا جی کی فاتحہ'' کوئی اگر حلوائی کی دکان پر جا کر بغیر خریدے اس کی ساری مٹھائی غرباء میں تقسیم کر دے تو اسے ثواب نہیں ملے گا بلکہ عذاب ہوگا کہ اس نے غیر کے ملک میں تصرف کیوں کیا جب کہ ہمیں ''اموال'' میں تصرف کرنے پر ثواب ہوتا ہے۔ پتہ چلا کہ یہ اموال اور انفس ہماری ملک ہیں اور ان میں تصرف کا ہمیں اختیار دیا گیا ہے لہٰذا عدم ملک سے انفس اور اموال میں عدم تصرف اور اعضاء کی وصیت کے عدم جواز پر استدلال درست نہیں۔

اسی طرح خودکشی کی حرمت کے لئے عدم ملک کی دلیل لانا بھی کسی حدیث سے ثابت نہیں خودکشی ایک قتل ہے اور قتل کی حرمت پر جب سینکڑوں احادیث موجود ہیں تو پھر اس کی حرمت ثابت کرنے کے لئے عدم ملک جیسی لایعنی اور مہمل دلیل اپنے دل سے گھڑنے کی آخر کیا ضرورت ہے۔

دلیل خامس

مانعین کی ایک دلیل یہ حدیث مبارک بھی ہے.........

لَعَنَ اللّٰهُ الْوَاصِلَةَ وَالْمُسْتَوْصِلَةَ وَالْوَاشِمَةَ وَالْمُسْتَوْشِمَةَ

(جامع ترمذی ابواب الاستیذان جلد ۲ ص ۲۸۶)

''یعنی حضور ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے بال ملانے والی، ملاقات کی

خواہش کرنے والی اور بدن گودنے اور گدوانے والی عورتوں پر لعنت بھیجی ہے''۔

وہ کہتے ہیں کہ اس حدیث کی رو سے جب کسی دوسرے کے بال ملانا اور بدن گدوانا جائز نہیں تو بدن کا ایک پورا عضو قطع کرنا اور دوسرے کے لگانا کب جائز ہوگا......؟

جواب

اس کا جواب یہ ہے کہ علامہ ترمذی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اسی باب یعنی ''باب ماجاء فی الواصلہ والمستوصلہ'' میں جہاں یہ حدیث ذکر کی ہے وہاں اسی باب میں ایک اور اسی مضمون کی تفصیلی حدیث بھی ذکر کی ہے جس سے حدیث کے معنی واضح ہو کر سامنے آ جاتے ہیں وہ حدیث مبارک یہ ہے..........

اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ لَعَنَ الْوَاشِمَاتِ وَ الْمُسْتَوْشِمَاتِ وَالْمُتَنَمِّصَاتِ مُبْتَغِيَاتٍ لِلْحُسْنِ مُغَيِّرَاتِ خَلْقَ اللّٰهِ هٰذا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ

(جامع ترمذی ابواب الاستیذان جلد ۲، ص ۲۸۵)

''بیشک نبی کریم ﷺ نے جسم گودنے والی اور گدوانے والی عورتوں پر لعنت کی ہے اور ان پر بھی جو اپنے چہرہ کے بال کو چنتی ہیں حسین بننے کے لئے اور اللہ کی خلقت کو بدلتی ہیں، امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے''۔

اس حدیث مبارک میں ''للحسن'' کا لفظ واضح طور پر یہ بتا رہا ہے کہ یہ جسم پر تغیر و تبدل اور کسی دوسرے کے بال لگانا اس وقت منع ہے جب کہ بغیر کسی ضرورت کے صرف زیب و زینت اور حسن و جمال کے لئے ہو اور وہ احادیث جو اس سلسلہ میں مطلق آئی ہیں ان کو بھی اسی قید پر محمول کیا جائے گا بالکل اسی طرح جس طرح ایک حدیث مبارک میں از راہ تکبر کپڑا لٹکانے کی ممانعت آئی ہے چنانچہ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد مبارک ہے......

لَا يَنْظُرُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اِلٰى مَنْ جَرَّ ثَوْبَهٗ خُيَلَاءَ

(ترمذی، ابواب اللباس جلد ایک ص ۲۶۱)

''کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس شخص پر نظر رحمت نہیں فرمائے گا جو تکبر سے اپنا کپڑا گھسیٹ کر چلے''۔

محدثین فرماتے ہیں کہ جن احادیث میں مطلقاً کپڑا نیچے کرنے پر ممانعت اور وعیدیں آئی ہیں وہاں بھی یہی ''خیلاء'' یعنی تکبر کی شرط ملحوظ ہوگی اور ان احادیث کو بھی اسی پر محمول کیا جائے گا کہ جو شخص از راہ تکبر کپڑا لٹکائے گا وہ گنہگار ہوگا اور اس پر اللہ تعالیٰ نظر رحمت نہیں فرمائے گا اور جہاں تکبر نہیں ہوگا وہاں نہ یہ وعیدیں ہوں گی اور نہ وہ حرام ہوگا۔

اسی طرح ہم کہتے ہیں کہ یہاں بھی ایک حدیث میں جو ''للحسن'' کی قید ہے وہ دوسری مطلق احادیث میں بھی ملحوظ ہوگی اور اس قسم کی تمام احادیث اور آیات کا مطلب یہ ہوگا کہ صرف حسن اور آرائش کی غرض سے ''یہ تبدیلی اور تغیر'' اور ایک دوسرے کے بال استعمال کرنا جائز ہے جب کہ اعضاء کی پیوند کاری کی صورت میں حسن و جمال کے لئے یہ تغیر وتبدل نہیں ہو رہا بلکہ سخت ترین ضرورت اور ایک جان بچانے کے لئے یہ عمل کیا جا رہا ہے۔ جس کی ممانعت اس حدیث سے کوئی ثابت نہیں ہوتی۔

دلیل سادس

مفتی محمد شفیع صاحب اس کے حرام ہونے پر ایک اور دلیل بھی ذکر کرتے ہیں وہ لکھتے ہیں......

خدانخواستہ یہ طریقہ علاج رواج پا گیا تو اس کا ایک نقد نتیجہ تو یہ ہوگا کہ غریب انسان کی آنکھیں اور گردے اور دوسرے اعضاء ایک بکاؤ مال کی طرح بازار میں بکا کریں گے...... اور خدانخواستہ یہ سلسلہ بڑھتا رہا تو صرف اپنی موت مرنے والوں تک محدود نہیں رہے گا بلکہ اس کام کے لئے بہت سے انسانوں کے قتل کا ایک بازار گرم ہو جانا ممکن ہے پورے انسانی معاشرہ کی تباہی کا اعلان ہے۔ (انسانی اعضاء کی پیوند کاری، مفتی محمد شفیع ص ۳۲)

جواب

اگر بالفرض یہ خدشات درست بھی ہوں تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ ان کی وجہ سے اس نیک اور جائز کام کو ہی ختم کر دیا جائے یا حرام قرار دے دیا جائے بلکہ ان حرام کاموں کو روکنے اور ختم کرنے کی کوشش کی جائے گی جو اس جائز اور نیک کام میں پیدا کئے جا رہے ہیں۔ اس سلسلہ میں فقہ حنفیہ کی معتبر کتاب شامی نے بڑا پیارا اور جامع اصول بیان فرمایا ہے وہ لکھتے ہیں......

وَلَا تُتْرَکُ لِمَا یَحْصُلُ عِنْدَھَا مِنْ مُنْکَرَاتٍ وَ مُفَاسِدِ کَاَخْتِلَاطِ الرِّجَلِ بِالنِّسَاءِ وَ غَیْرِھَا لِاَنَّ الْقُرُبَاتِ لَاتُتْرَکُ لِمِثْلِ ذَالِکَ بَلْ عَلَی الْاِنْسَانِ فَعْلُھَا وَ اِنْکَارِ الْبِدَعِ قُلْتُ وَ یُوَیِّدُہٗ مَامَرَّ مِنْ عَدَمِ تَرْکِ اِتِّبَاعِ الْجَنَازَۃِ وَ اِنْ کَانَ مَعَ نِسَاءِ نَائِحَاتٍ (شامی، کتاب الجنائز، باب زیارت القبور)

”زیارت قبور اس لئے نہ چھوڑا جائے گا کہ اس میں غیر شرعی باتیں ہوتی ہیں جیسے مرد اور عورتوں کا اختلاط وغیرہ کیوں کہ اس قسم کی ناجائز باتوں کی وجہ سے مستحبات چھوڑے نہیں جاتے بلکہ انسان پر ضروری ہے کہ وہ ان کاموں کو (زیارت قبور) کرے اور بدعتوں کو روکنے کی کوشش کرے۔ اس کی تائید گزشتہ مسئلہ بھی کرتا ہے کہ جنازہ کے ساتھ جانا نہ چھوڑے اگرچہ اس کے ساتھ یہ حرام کام ہو رہا ہو کہ نوحہ کرنے والی عورتیں ساتھ چل رہی ہوں“۔

اس عبارت سے یہ بات واضح ہو کر سامنے آ گئی کہ اعضاء عطیہ کرنے جیسے نیک عمدہ، بھلائی اور خیر خواہی کے کام میں اگر کسی قسم کی کوئی حرام اور غلط بات رواج پانے لگے تو اس کی وجہ سے اس عظیم انسانی فلاح کے کام کو ہر گز نہیں چھوڑا جائے گا اور نہ اس کو حرام قرار دیا جائے گا بلکہ اس غلط اور حرام کو روکنے کی کوشش کی جائے ورنہ اگر نیک کاموں میں ناجائز امور کے پیدا ہونے کی وجہ سے وہ نیک اور عمدہ کام ہی حرام ہونے لگیں تو پھر شادی بیاہ بھی

حرام ہو جائے گا کیوں کہ اس میں آج کل بیسیوں قسم کی بے ہودہ اور حرام رسمیں رواج پا گئی ہیں۔ جہازوں اور ریلوں اور بسوں کا سفر بھی حرام ہو جائے گا کہ وہاں بھی مرد و زن کا اختلاط ہوتا ہے جو حرام ہے۔ عرس اور اولیاء کے مزارات پر حاضری بھی حرام ہو جائے گی کہ بعض مزارات پر ہر عرس کے دنوں میں دھمال، جوئے اور سٹے جیسے حرام کام ہوتے ہیں حالانکہ علماء اہل سنت و جماعت کے نزدیک عرس، مزارات اولیاء پر حاضری، شادی بیاہ میں شرکت اور جدید ذرائع آمد و رفت کے ذریعہ سفر یہ سب امور جائز ہیں۔ حرام امور کے ان میں آ جانے کی وجہ سے یہ جائز چیزیں حرام نہیں ہو جاتیں ہاں البتہ ان حرام امور کو ان میں داخل ہونے سے روکنے کی ضرور کوشش کی جائے گی۔

دلیل سابع

مفتی محمد شفیع صاحب اس طریقہ علاج کے خلاف ایک "عقلی دلیل" لاتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں......

> سب مل کر اس کو رواج دینے کی کوشش بھی کر لیں تو کیا یہ کہا جا سکتا ہے کہ دنیا میں کوئی اندھا نہیں رہے گا یا کوئی بیمار، تندرستی سے محروم نہیں رہے گا۔ تجربہ شاہد ہے کہ ان نئی سے نئی ترقیات ہی کے آپریشن لاموں اور مریض کی قیام گاہوں اور ماہر ڈاکٹروں کے سایوں میں روزانہ ہزاروں مریض دم توڑ کر عدم کی سرحد پار کر لیتے ہیں۔ (انسانی اعضاء کی پیوند کاری، مفتی محمد شفیع ۳۵)

جواب

مفتی محمد شفیع صاحب جیسے ایک مکتبہ فکر کے مقتدر اور مستند مفتی اور عالم کی طرف سے اس قسم کی دلیل فقیر کے لئے انتہائی حیرت اور استعجاب کا باعث بنی کیوں کہ مفتی صاحب کے اس استدلال کی رو سے پھر تو تمام حکماء، اطباء اور ڈاکٹروں کو اپنی اپنی دکانیں، کلینک اور ہسپتال بند کر دینے چاہئیں کیوں کہ آج دنیا میں لاکھوں اندھے بھی موجود ہیں اور کروڑوں بلکہ اربوں بیمار بھی موجود ہیں اور یہی نہیں بلکہ شرح اموات بھی بڑھ گئی ہے ہر روز سینکڑوں

لوگ مر بھی رہے ہیں............ سبحان اللہ! مفتی صاحب کی کیا دلیل ہے............؟ کیا کسی بھی طریقہ علاج کی یہ گارنٹی دی جاسکتی ہے کہ اس میں سو فیصد شفاء ہی شفاء ہے یا اس علاج سے کبھی کوئی مرے گا نہیں اگر نہیں دی جاسکتی اور عدم جواز کی یہی مذکورہ دلیل ہو تو پھر اس ایک بیچارے اعضاء کی پیوندکاری کے علاج کا کیا قصور......؟ دنیا بھر کے سارے علاجوں اور ہر قسم کی دواؤں کو ممنوع قرار دے دیجئے کہ چونکہ ان علاجوں اور دواؤں کے باوجود لوگ بیمار بھی ہو رہے ہیں اور روزانہ لوگ مر بھی رہے ہیں لہٰذا یہ سب علاج ناجائز ہیں، کوئی کسی قسم کا علاج نہ کرے......!

دلیل ثامن

اسی قسم کی ایک اور دلیل سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب نے بھی ذکر کی ہے وہ کہتے ہیں۔

ادھر ایک شخص کی موت واقع ہوئی اور اس کے گھر میں کہرام مچا اور ادھر آنکھوں والے اس کی آنکھیں نکالنے آگئے۔ ہاتھوں اور ٹانگوں کے شعبہ سے اس کے ہاتھ اور ٹانگیں کاٹ کر لے جانے والے آگئے اور دل کے ڈیپارٹمنٹ سے آلات لئے اس کا سینہ چیر کر دل نکالنے والے آگئے...... کیا واقعی انسانیت یہی سکھاتی ہے......؟ ایک مسلمان معاشرہ میں یہ چیز چل نکلے تو میں نہیں کہہ سکتا کہ اقرباء مرنے والے کا کیا بچا کھچا منہ دیکھنے آئیں گے نماز جنازہ کیا چیز سامنے رکھ کر پڑھی جائے گی اور قبر میں کیا شے لے جا کر دفن کی جائے گی؟

(اردو مجالس، سید مودودی، ص ۳۲)

جواب

جو نقشہ مولانا مودودی صاحب نے کھینچا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس مسئلہ کے تمام پہلو اور شرائط ان کے مدنظر نہیں رہے کیوں کہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ جس عضو کے لئے وہ آدمی وصیت کر کے جائے گا صرف اس عضو کا لینا جائز ہوگا باقی کسی دوسرے عضو کی طرف کسی ڈاکٹر یا سرجن کو اس ارادے سے آنکھ اٹھا کر دیکھنا بھی جائز نہیں ہوگا اور وہ عضو بھی ورثاء کی اجازت کے بعد لیا جاسکے گا ورنہ نہیں۔ لہٰذا پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ایک یا دو عضو جس

کی اس نے وصیت کی ہو گی اور ورثاء جس پر راضی ہوں گے وہ عضو لیا جائے گا اس کے علاوہ باقی سارا جسم جوں کا توں ہو گا۔ اس کے اقرباء جی بھر کے اس کا آخری دیدار بھی کر سکیں گے نماز جنازہ بھی پڑھیں گے اور اپنے ہاتھوں سے اس کو قبر میں بھی دفن کریں گے۔

انتقال خون

گزشتہ اوراق میں اعضاء کی پیوند کاری کے جواز پر جو مفصل بحث کی گئی اس سے انتقال خون کا مسئلہ بھی حل ہو گیا کہ جب ضرورت کے تحت کسی انسان کا عضو لے کر دوسرے کو لگانا جائز ہے تو ایک آدمی کا خون دوسرے آدمی کو چڑھانا بھی جائز ہو گا لیکن اس کے لئے بھی وہ ہی شرائط ہوں گی کہ کسی مریض کی ہلاکت یا تکلیف شدید کا خطرہ ہو اور ماہر معالج کا یہ کہنا ہو کہ اس کے بغیر اس کی صحت کا امکان نہیں تو ایسی صورت میں خون کا چڑھانا جائز ہو گا محض تقویت بدن یا حسن وصحت میں اضافہ کے لئے انتقال خون ناجائز ہے۔

دلائل

اس کی دلیل وہ ہی ہے جو اوپر گزری کہ اگرچہ سیال خون نجس ہے اور ناپاک ہوتا ہے اس کے علاوہ اجزائے انسانی سے نفع حاصل کرنا احترام انسانیت کے منافی ہوتا ہے۔ لہٰذا ان دونوں وجوہات کی بناء پر خون کا چڑھانا ناجائز اور حرام ہونا چاہئے۔ لیکن قرآن نے ضرورت کے وقت جب سور اور مردار جیسی اشد حرام چیز کا کھانا جائز قرار دے دیا اور آنحضرت ﷺ نے ایک صحابی کو جن کی ناک کٹ گئی تھی سونے کی ناک لگانے کی اجازت دے دی جب کہ سونے کا استعمال مرد کے لئے حرام ہوتا ہے معلوم ہوا کہ ضرورت کے وقت حرام چیز کا استعمال اور اجزائے انسانی سے انتفاع جائز ہو جاتا ہے۔ لہٰذا انسانی خون سے علاج بھی ضرورت اور حاجت کے وقت جائز ہو جائے گا۔

اس پر مزید دلیل یہ حدیث مبارک بھی ہے جس کو امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے نقل فرمایا ہے............ عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَدِمَ اُنَاسٌ مِنْ عُكْلٍ اَوْ

عُرِیْنَةِ فَاجْتَوَوُا الْمَدِیْنَةَ فَاَمَرَهُمُ النَّبِیُّ عَلَیْہِ السَّلَامُ بِلِقَاحٍ وَ اَنْ یَشْرَبُوْا مِنْ اَبْوَالِهَا وَ اَلْبَانِهَا فَانْطَلَقُوْا فَلَمَّا صَحُّوا قَتَلُوْا رَاعِیَ النَّبِیِّ عَلَیْہِ السَّلَامُ

(صحیح، بخاری، جلد ایک، ص ۳۶)

"حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ عکل یا عرینہ سے کچھ لوگ آئے اور انہیں مدینہ راس نہیں آیا اور وہ بیمار ہو گئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حکم دیا کہ وہ اونٹوں کا دودھ اور پیشاب پئیں جب وہ تندرست ہو گئے تو انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چرواہوں کو قتل کر دیا"۔

دیکھئے پیشاب نجس اور حرام چیز ہے لیکن آپ نے بطور علاج انہیں پینے کا حکم دیا ثابت ہوا کہ ضرورت اور حاجت کے وقت جان بچانے یا شفاء حاصل کرنے کے لئے بھی حرام چیز کا استعمال جائز ہو جاتا ہے۔ لہٰذا خون اگرچہ حرام ہے لیکن ایسے موقعہ پر اس کو چڑھا کر اس کے ذریعہ علاج کرنا بھی جائز ہو جائے گا۔ چنانچہ فتاویٰ عالمگیری میں وضاحت اور صراحت کے ساتھ اسی مسئلہ کو بیان کرتے ہوئے لکھا گیا............

یَجُوْزُ لِلْعَلِیْلِ شُرْبُ الدَّمِ وَ الْبَوْلِ وَ اَکْلُ الْمَیْتَةِ لِلتَّدَاوِی اِذَا اَخْبَرَهُ طَبِیْبٌ مُسْلِمٌ اَنَّ شِفَاءَهُ فِیْهِ وَلَمْ یَجِدْ مِنَ الْمُبَاحِ مَا یَقُوْمُ مَقَامَهُ وَاِنْ قَالَ الطَّبِیْبُ یَتَعَجَّلُ شِفَائُکَ فِیْهِ وجهان

(فتاویٰ عالمگیری جلد ۴، ص ۱۱۴)

"اور بیمار کے لئے خون اور پیشاب کا پینا اور مردار کا کھانا بطور علاج کے جائز ہے بشرطیکہ کوئی مسلمان طبیب یہ بتائے کہ اس کی شفاء اسی میں ہے اور وہ کوئی دوسری مباح چیز نہ پائے جو اس کے قائم مقام ہو اور اگر اس کے متبادل کوئی مباح چیز موجود تو ہو لیکن طبیب یہ کہے کہ اس میں جلد شفاء ہو گی تو اس میں دو رائے ہیں ایک جواز کی دوسری عدم جواز کی"۔

اس کے علاوہ فقہ کے اندر ایک اور جزئیہ بھی ملتا ہے جس سے استعمال خون کا جواز صراحت

کے ساتھ ہو جاتا ہے............

وَلَا بَاسَ بِاَنْ يُسْعَطَ الرَّجُلُ بِلَبَنِ الْمَرْاَةِ وَيُشْرِبَهُ لِلدَّوَاءِ

(فتاویٰ عالمگیری جلد ۴، ص ۱۱۲)

"اور اس میں کوئی حرج نہیں کہ بطور علاج آدمی کی ناک میں عورت کا دودھ ڈال دیا جائے یا اس کو پلایا جائے"۔

معلوم ہوا کہ علاج کی صورت میں اجزائے انسانی سے انتفاع جائز ہے کیوں کہ جس طرح دودھ کے جز انسانی ہونے کے باوجود یہاں اس سے علاج اور انتفاع کو جائز قرار دیا جا رہا ہے اسی طرح خون سے بھی جزء انسانی ہونے کے باوجود انتفاع اور علاج جائز ہوگا۔

شوہر کا خون بیوی کو دینا

اکثر یہ بھی پوچھا جاتا ہے کہ شوہر کا خون بیوی کو اور بیوی کا خون شوہر کو دینے سے نکاح میں کوئی فرق تو نہیں پڑے گا......؟ تو اس کے متعلق عرض یہ ہے کہ کوئی فرق نہیں پڑے گا کیوں کہ شریعت اسلامیہ میں محرمیت کو صرف نسب، رضاعت اور مصاہرت میں منحصر کر دیا ہے، اور رضاعت میں بھی ڈھائی سال کے بعد دودھ پینے سے حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوتی لہٰذا شوہر کا خون بیوی کو یا بیوی کا خون شوہر کو چڑھانا جائز ہوگا اس سے ایک دوسرے کے لئے محرمیت ثابت نہیں ہوگی اور نہ ہی ان کے نکاح پر اس کا کوئی اثر پڑے گا۔

مانعین کی دلیل

جو حضرات اعضاء کی پیوندکاری کے عدم جواز اور انتقال خون اور الکحل ملی ہوئی دواؤں اور دیگر حرام اشیاء سے علاج کو ناجائز قرار دیتے ہیں ان کی دلیل یہ حدیث مبارک ہے......

عَنْ اُمِّ سَلْمَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى لَمْ يَجْعَلْ شِفَاءَ اُمَّتِيْ فِيمَا حُرِّمَ عَلَيْهَا (شامی، ج ۱ ص ۱۹۴)

"حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بیشک اللہ تعالیٰ نے میری امت کی شفاء ان چیزوں میں نہیں رکھی جو ان پر

حرام کردی گئی ہیں''۔

جب حدیث مبارک سے معلوم ہو گیا کہ حرام اشیاء میں شفاء ہے ہی نہیں تو پھر حرام اشیاء سے شفاء کی امید پر علاج کب جائز ہو گا......؟

جواب

علامہ بدر الدین عینی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس حدیث کا جواب دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:۔

وَاُجِیْبَ بِاَنَّهٗ مَحْمُوْلٌ عَلٰی حَالَةِ الْاِخْتِیَارِ اَمَّا فِیْ حَالَةِ الْاِضْطِرَارِ فَلَا یَکُوْنُ حَرَامًا کَالْمَیْتَةِ لِلْمُضْطَرِ

(عمدۃ القاری، علامہ بدر الدین عینی، ج ۳، ص ۱۵۵)

''اس حدیث کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اس حدیث میں وہ صورت مراد ہے جب آدمی کو حلال اور حرام دونوں پر اختیار ہو تو اس صورت میں بیشک حرام کے اندر شفاء نہیں لیکن جب حالت اضطرار ہو کہ حرام کے علاوہ کوئی اور شفاء کی صورت نہ ہو تو اس وقت وہ چیز حرام ہی نہیں رہتی لہٰذا اب اس میں شفاء بھی ہو گئی جیسے مضطر کو مردار کھانا جائز ہے''۔

معلوم ہوا کہ یہ حدیث اس صورت کے لیے ہے جب حلال و حرام دونوں قسم کی چیزیں موجود ہوں اور دونوں سے شفاء حاصل ہو سکتی ہو تو اس وقت حرام کے ذریعہ علاج کرنا ناجائز ہو گا اور اس وقت اس حرام شے میں شفاء نہیں ہو گی لیکن اضطرار کی صورت اس سے مستثنیٰ ہے کیونکہ اس وقت وہ حرام چیز مضطر کے لیے حرام نہیں رہتی بلکہ جائز ہو جاتی ہے لہٰذا اس میں شفاء ہو گی اور اس سے حالت اضطرار میں علاج ہو جائے گا۔

پوسٹ مارٹم

پوسٹ مارٹم کئی ضرورتوں کی بناء پر کیا جاتا ہے.........

وجہ اولی

پہلی وجہ تو یہ ہے کہ کسی مقدمہ کی تحقیق کے سلسلہ میں کیا جائے اور اس کے ذریعہ کسی بے گناہ کی خلاصی ہو جائے اور اس کی جان بچ جائے۔ ایسی صورت میں پوسٹ مارٹم کرانا یقیناً جائز ہوگا اور اس کی دلیل وہ ہی فقہی جزئیہ ہوگا جو گزشتہ اوراق میں گزرا کہ کوئی حاملہ مر جائے اور اس کے پیٹ میں زندہ بچہ ہو تو اس عورت کا پیٹ چاک کر کے بچہ نکال لیا جائے گا۔ اس سے ثابت ہوا کہ میت کی حرمت اپنی جگہ پر لیکن کسی کی جان بچانے کے لئے کسی کی مشکل آسان کرنے کے لئے میت کی حرمت کا خیال نہیں کیا جائے گا اور پوسٹ مارٹم کر کے کسی ملزم کی خلاصی اور رہائی کو ترجیح دی جائے گی۔

وجہ ثانیہ

دوسری پوسٹ مارٹم کی صورت یہ ہے کہ کسی شخص نے اپنے کسی عضو کے لئے وصیت کر دی کہ میرے مرنے کے بعد میرا فلاں عضو نکال کر کسی کو لگا دیا جائے۔ اس کی بحث مفصل گزری کہ ایسی صورت میں بھی اس میت کا آپریشن کر کے وہ عضو لینا جائز ہوگا۔ اس پر قرآن وحدیث اور اقوال فقہاء سے دلائل ہم نے مفصل ذکر کر دیئے۔

وجہ ثالثہ

تیسری پوسٹ مارٹم کی وجہ یہ ہے کہ میڈیکل کالج کے طلبا کو آپریشن وغیرہ کی مشق کرائی جاتی ہے تاکہ وہ اس سے تجربہ حاصل کر کے دوسرے زندہ لوگوں کے صحیح آپریشن کر کے عمدہ سرجری کے ذریعہ ان کو نئی زندگیاں عطا کریں اور تکلیف دہ امراض سے ان کو نجات دلا سکیں اس کو میڈیکل کی اصطلاح میں (Diss ection) کہا جاتا ہے میری رائے یہ ہے کہ شرعی لحاظ سے یہ صورت بھی جائز ہوگی۔

دلائل

اس پر تمام دلائل وہی لاگو ہوں گے جو انسانی اعضاء کی پیوندکاری کے سلسلہ میں ہم ما قبل ذکر کر آئے ہیں بالخصوص "دلیل ثانی" یہاں خاص طور پر صادق آئے گی کہ جہاں دو

برائیاں ناگزیر ہو جائیں وہاں بڑی برائی کو چھوڑ دیا جائے گا اور کم تر برائی کو اختیار کر لیا جائے گا تو چونکہ یہاں بھی دو برائیاں ہیں ایک میت کی بے حرمتی جو یقیناً بڑی برائی ہے لیکن کسی میڈیکل کے طالب علم کا صحیح مشق اور تجربہ حاصل نہ کر کے سینکڑوں بلکہ ہزاروں زندہ لوگوں کے آپریشن خراب کر دینا اور ان کو موت کے منہ میں دھکیل دینا یہ یقیناً اس سے بھی بڑی برائی ہوگی لہٰذا مذکورہ بالا قاعدہ کی رو سے اس بڑی برائی کو چھوڑ دیں گے اور چھوٹی برائی کو اختیار کر لیں گے یعنی پوسٹ مارٹم کے ذریعہ میت کی بے حرمتی کو برداشت کر لیں گے تا کہ وہ صحیح آپریشن سیکھ کر سینکڑوں اور ہزاروں بندگان خدا کی جان بچا سکے اور ان کو موذی امراض سے نجات دلا سکے۔

مانعین کی رائے

حضرت مولانا غلام رسول سعیدی زید مجدہ پوسٹ مارٹم کی پہلی صورت کو جائز اور آخری دو صورتوں کو ناجائز قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں............

ایسی صورت میں جب کہ پوسٹ مارٹم کے ذریعہ کسی بے قصور کی جان بچانے کا مسئلہ ہو تو پوسٹ مارٹم کرنا صرف جائز ہی نہیں بلکہ ضروری ہے...... سرجری کی مشق کے لئے جانوروں اور غیر مسلم اموات کو حاصل کرنا چاہیے اور مسلم اموات پر سرجری کی مشق کرنا جائز نہیں اور غیر مسلم اموات کا حصول اس قدر دشوار نہیں ہوتا جس کی بناء پر مسلمان میت کی چیر پھاڑ کر کے اس کی بے حرمتی کی جائے خصوصاً اس صورت میں جب کہ پلاسٹک ماڈل سے بھی تعلیم شروع کی جا چکی ہے۔ (شرح صحیح مسلم)

جوابات

حیرت ہے جہاں پوسٹ مارٹم کے ذریعہ صرف ایک جان بچ رہی ہے وہاں مولانا سعیدی صاحب پوسٹ مارٹم کو صرف جائز ہی نہیں بلکہ ضروری قرار دے رہے ہیں اور جہاں ایک ڈاکٹر کو آپریشن کا ماہر بنا کر سینکڑوں ہزاروں جانیں بچائی جا رہی ہیں وہاں پوسٹ مارٹم ناجائز فرما رہے ہیں.....؟ شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کو یہ گمان ہے کہ تیسری صورت میں

طلباء کو انسانی جسم کے پوسٹ مارٹم کی ضرورت نہیں کیوں کہ وہاں پلاسٹک ماڈل اور حیوانی جسموں کی صورت میں اس کا متبادل موجود ہے۔ حالانکہ میں نے ڈاکٹروں اور اس فن کے ماہروں سے پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ پلاسٹک ماڈل میں تو آپریشن کے تجربہ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہاں حیوانی اجسام میں آپریشن ضرور ہوتا ہے لیکن حیوانی اجسام انسانی اجسام کا ہرگز متبادل نہیں ہو سکتے۔ ان دونوں قسم کے اجسام، ان کے عوارضات، ان کی خصوصیات، ان کا طرز اور انداز آپریشن، ان کا طرز علاج الغرض سب چیزوں میں زمین آسمان کا فرق ہوتا ہے صرف جانوروں پر مشق کر کے آدمی کبھی بھی کسی انسان کے آپریشن میں مہارت حاصل نہیں کر سکتا۔ اگر ایسا ہوتا تو ہر "وٹیزی ڈاکٹر" اچھا سرجن بھی ہوتا ہر گائے بھینس کا معالج ہمارا اور آپ کا بھی اچھا معالج ہوتا حالانکہ ایسا ہرگز نہیں ہوتا تو معلوم ہوا کہ محض جانوروں کے علاج کی مہارت حاصل کر کے کسی انسان کے علاج اور اس کے آپریشن کی مہارت حاصل کرنے کا نظریہ طبی نقطہ نظر سے بالکل لایعنی اور جدید سرجری سے ناواقفیت پر مبنی ہے۔ لہٰذا ثابت ہوا طلباء کے لئے اس قسم کا پوسٹ مارٹم آپریشن کا تجربہ حاصل کرنے اور سینکڑوں جانیں بچانے کے لئے نہایت ضروری ہے اور اس کا کوئی متبادل نہیں ہے۔ لہٰذا اس اجتماعی اور بڑے فائدہ کو مد نظر رکھتے ہوئے ایک تکریم میت کے انفرادی فائدہ کو ترک کر دیں گے اور سینکڑوں جانوں کو بچانے اور ان کو صحت یاب کرنے کی خاطر اس پوسٹ مارٹم کی بھی اجازت شرعی طور پر دے دی جائے گی۔

علامہ سعیدی صاحب کا یہ فرمانا کہ "اس قسم کے پوسٹ مارٹم کے لئے غیر مسلم اموات کو حاصل کرنا چاہئے" تو اس کے متعلق عرض یہ ہے کہ اول تو تکریم آدمیت کے لحاظ سے مسلم اور غیر مسلم دونوں برابر ہیں۔ چنانچہ اس پر فقہ کا یہ جزئیہ شاہد ہے.........

وَشَعْرُ الْاِنْسَانِ لِكَرَامَةِ الْاٰدِمِیِّ وَلَوْ كَانَ كَافِرًا

"اور انسان کے بالوں کی بیع ناجائز ہے بوجہ آدمی کی عزت اور کرامت کے اگرچہ کافر ہی ہو"

معلوم ہوا کہ شریعت مطہرہ میں آدمی خواہ مسلمان ہو یا کافر ''تکریم آدمیت'' دونوں میں ملحوظ ہوگی اور اس عزت کے باعث دونوں کے بالوں کی بیع ناجائز ہے۔ اسی طرح ایک اور جزئیہ ملاحظہ ہو............

وَاِنْ لَّمْ يَجِدْ اِلَّا اٰدمِيًّا محقون الدم لَمْ يَبِحْ لَهٗ قَتْلَهٗ اِجْمَاعًا وَلَا اِتْلَاف عُضْوٍ مُسْلِمًا كَانَ اَوْ كَافِرًا لِاَنَّهٗ مثلهٗ فَلَا يَجُوْزُ اَنْ يَبْقِيَ نَفْسَهٗ بِاِتْلَافِهٖ وَهٰذَا لَا خِلَافَ فِيْهِ

''اور اگر مضطر نہ پائے مگر ایسا آدمی جس کا خون محفوظ ہو شرعاً (یعنی مسلمان یا ذمی کافر) تو اس مضطر کے لئے ایسے آدمی کا قتل جائز نہیں ہوگا خواہ وہ مسلمان ہو یا کافر ہو کیونکہ اس آدمی کی زندگی مضطر کی زندگی کی مثل ہے۔ پس اس کو جائز نہیں کہ اس کو تلف کر کے اپنی زندگی بچائے اس مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں''۔

اس سے واضح طور پر ثابت ہو گیا کہ آدمی مسلمان ہو یا کافر اسلام کی نظر میں دونوں کی جان قیمتی ہے۔ انسانی تکریم و حرمت کی حیثیت سے دونوں برابر ہیں جو مسلمان کی جان کا حکم ہوگا وہ ہی کافر کی جان کا حکم ہوگا۔ اگر مسلمان کے جسم کی ایذاء اور بے حرمتی حرام ہے تو اسلام کی نظر میں کافر کے جسم کی بھی ایذاء اور بے حرمتی حرام ہے۔ لہٰذا عدم القائل بالفصل کی بناء پر جب آپ نے غیر مسلم کی اموات کے پوسٹ مارٹم کی طلباء کو اجازت دے دی تو مسلم اموات کے پوسٹ مارٹم کی اجازت خود بخود ثابت ہو جائے گی۔

اور دوسری بات یہ ہے کہ بہت سے مسلم ممالک ایسے ہیں جہاں غیر مسلم اقلیت میں ہیں اول تو وہاں غیر مسلم اموات ہی بہت کم تعداد میں ہوں گی ان میں سے بھی اہم اور با اثر شخصیات کو ان کے ورثاء طلباء کے لئے تختہ مشق بنانے کی اجازت ہرگز نہیں دیں گے۔ اس طرح سال میں اگر اکا دکا کوئی جسم تجربہ کے لئے مل بھی گیا تو کیا وہ تمام ملک کے تمام میڈیکل کالجوں اور یونیورسٹیوں کے لاکھوں طلباء کے لئے کافی ہوگا......؟ کیا پھر ایسے مسلم ممالک میں سرجری کے یہ شعبے قائم رہ سکیں گے......؟ کیا ایسے ممالک میں لوگ اچھے

سرجنوں سے محروم نہیں ہو جائیں گے......؟ اور کیا وہاں کے لوگ ماہر سرجن کے نہ ہونے کے باعث اپنے پیچیدہ امراض میں بغیر آپریشن کے تڑپ تڑپ کر جانیں نہیں دیں گے ......؟ اور ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مریں گے نہیں......؟

لہٰذا ماننا پڑے گا کہ "غیر مسلم اموات" کی قید لگانا درست نہیں۔ اس عظیم فائدہ کی خاطر مسلم اموات کا بھی پوسٹ مارٹم درست ہوگا۔

روزہ میں انجکشن

یہ بھی ایک جدید نوعیت کا طبی اور شرعی مسئلہ ہے کہ آیا روزہ کی حالت میں انجکشن لگایا جا سکتا ہے یا نہیں......؟ یا گلوکوز چڑھایا جا سکتا ہے یا نہیں......؟ انجکشن سے روزہ ٹوٹتا ہے یا نہیں......؟

اس کے متعلق علماء کی تحقیق یہ ہے کہ انجکشن خواہ گوشت میں لگایا جائے یا رگ میں لگایا جائے بہر حال اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔

دلیل اول

اس کی دلیل یہ ہے کہ شریعت مطہرہ میں مطلقاً کسی بھی چیز کا بدن میں جانا روزہ کو نہیں توڑتا بلکہ روزہ ٹوٹنے کے لئے یہ شرط ہے کہ "منفذ یعنی کسی راستہ سے کوئی چیز معدہ یا دماغ تک پہنچائی جائے تب روزہ ٹوٹتا ہے" لہٰذا اگر کوئی شے بدن کے اندر تو گئی لیکن معدہ یا دماغ کے اندر نہیں گئی تب بھی روزہ نہیں ٹوٹے گا یا معدہ کے اندر بھی چلی گئی لیکن کسی راستہ سے نہیں گئی بلکہ مسامات کے ذریعہ پہنچی تو اس سے بھی روزہ نہیں ٹوٹے گا............ دیکھئے یہ شرعی مسئلہ ہے کہ آنکھوں میں سرمہ لگانے یا دوا ڈالنے سے اور سر یا بدن پر تیل لگانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا اگرچہ اس کا اثر حلق میں کیوں نہ محسوس ہو کیونکہ حکماء کے نزدیک آنکھ اور معدہ کے درمیان کوئی "منفذ" یعنی راستہ نہیں ہے۔ یہ اثر مسامات کے ذریعہ حلق اور حلق سے معدہ تک پہنچا ہے لہٰذا اس سے روزہ نہیں ٹوٹے گا چنانچہ شامی میں صاف فرمایا گیا............

اَوْ اَدْهَنَ اَوْ اِكْتَحَلَ اَوْاِحْتَجَمَ وَ اِنْ وَجَدَ طَعْمَهٗ فِيْ حَلْقِهٖ

قَالَ فِی النَّھْرِ لِاَنَّ الْمَوْجُوْدَ فِی حَلْقِهٖ اَثَرٌ دَاخِلٌ مِنَ الْمَسَامِ الَّذِیْ هُوَ خَلَلُ الْبَدَنِ وَ الْمُفْطِرُ اِنَّمَا هُوَ الدَّاخِلُ مِنَ الْمَنَافِذِ لِلاتفاق عَلٰی اَنَّ مَنْ اِغْتَسَلَ فِیْ مَاءٍ فَوَجَدَ بَرْدَهٗ فِیْ بَاطِنِهٖ اَنَّهٗ لَا یُفْطِرُ (شامی، ابن عابدین ج ۲ ص ۳۹۵)

یعنی علامہ ابن عابدین فرماتے ہیں کہ سرمہ اور تیل لگانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا اگر چہ اس کا اثر حلق میں کیوں نہ محسوس ہو اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ حلق میں جو اثر محسوس ہوا ہے یہ مسامات کے ذریعہ آیا ہے جب کہ روزہ اس وقت ٹوٹتا ہے جب کوئی چیز بذریعہ راستہ داخل ہو۔ پھر اس پر دلیل ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ دیکھو کوئی شخص روزہ میں غسل کرے اور پانی کی ٹھنڈک اپنے بدن کے اندر محسوس کرے تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا کیوں کہ یہ پانی کا اثر مسامات کے ذریعہ اندر گیا ہے منفذ اور راستہ کے ذریعہ نہیں گیا...... لہٰذا ثابت ہوا کہ انجکشن کے ذریعہ جو دوا اندر جاتی ہے اول تو وہ معدہ میں نہیں پہنچتی اور اگر معدہ میں پہنچتی بھی ہو تب بھی چونکہ کسی راستہ کے ذریعہ معدہ تک نہیں پہنچ رہی بلکہ مسامات کے ذریعہ پہنچ رہی ہے لہٰذا یہ مفسد صوم نہیں اور اس سے روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

دلیل ثانی

اسی طرح کان، ناک یا مقعد میں دوا وغیرہ ڈالنے سے بھی روزہ فاسد ہو جاتا ہے کیوں کہ ان کے اور معدہ کے درمیان ایسے راستے موجود ہیں جن سے دوا وغیرہ سیدھی معدہ تک پہنچ جاتی ہے۔ ثابت ہوا کہ روزہ اس وقت فاسد ہوتا ہے جب منافذ یعنی راستوں کے ذریعہ کوئی چیز معدہ تک پہنچے جب کہ انجکشن میں ایسی صورت نہیں ہوتی لہٰذا روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

دلیل ثالث

یہ بھی شرعی مسئلہ ہے کہ عورت کی شرمگاہ میں اگر کوئی دوا وغیرہ ڈالی جائے تو اس سے اس کا روزہ ٹوٹ جائے گا جب کہ مرد کے عضو تناسل میں اگر کوئی دوا وغیرہ ڈالی جائے تو امام اعظم اور امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما کے نزدیک اس سے اس کا روزہ نہیں ٹوٹتا اس کی وجہ بھی

یہی ہے کہ عورت کے جسم میں ایک منفذ یعنی راستہ معدہ تک موجود ہے جس سے اس دوا وغیرہ کے معدہ تک پہنچنے کا امکان ہے جب کہ مرد کے جسم میں براہ راست کوئی راستہ معدہ تک موجود نہیں ہے۔ بلکہ مثانہ کے راستہ سے مسامات کے ذریعہ معدہ تک راستہ ہے لہٰذا اس کا اثر اگر معدہ تک پہنچا بھی تو اس سے روزہ اس لئے نہیں ٹوٹے گا کہ وہ دوا وغیرہ معدہ تک کسی راستہ سے نہیں پہنچی بلکہ مسامات کے ذریعہ پہنچی ہے۔

دلیل رابع

اسی طرح حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور حضرت امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک اگر کوئی دوا وغیرہ مثانہ تک پہنچ جائے تو ان کے نزدیک اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا جب کہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔
صاحب ہدایہ اس اختلاف کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ امام اعظم اور امام محمد کے نزدیک مثانہ اور معدہ کے درمیان کوئی منفذ اور راستہ نہیں ہے جب کہ امام ابو یوسف کے نزدیک ان کے درمیان منفذ اور راستہ موجود ہے لہٰذا جو دوا مثانہ میں ہوگی وہ امام اعظم کے نزدیک اگر چہ اس کا اثر مسامات کے ذریعہ معدہ تک ضرور پہنچے گا کیوں کہ جب معدہ کے مسامات کے ذریعہ مثانہ میں پیشاب آ سکتا ہے تو مثانہ سے بھی معدہ میں ان ہی مسامات کے ذریعہ دوا وغیرہ کا اثر بھی جا سکتا ہے لیکن چوں کہ کسی منفذ اور راستہ کے ذریعہ وہ اثر نہیں جا رہا لہٰذا یہ مفسد صوم نہیں اور اس سے روزہ نہیں ٹوٹے گا۔ جب کہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک چونکہ مثانہ اور معدہ کے درمیان ایک راستہ موجود ہے لہٰذا اس راستہ سے دوا معدہ تک پہنچ جائے گی لہٰذا روزہ ٹوٹ جائے گا چنانچہ ثابت ہوا کہ انجکشن کے ذریعے جو دوا یا گلوکوز وغیرہ بدن میں پہنچایا جاتا ہے وہ چونکہ کسی راستہ کے ذریعہ معدہ تک نہیں پہنچتا اس لئے مفسد صوم نہیں۔ ہدایہ کی عبارت ملاحظہ ہو......

فَكَأَنَّهُ وَقَعَ عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ أَنَّ بَيْنَهُ وَ بَيْنَ الْجَوْفِ مُنْفَذًا وَلِهٰذَا يَخْرُجُ مِنْهُ الْبَوْلُ وَوَقَعَ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ أَنَّ الْمَثَانَةَ

بینهما حَائِلٌ وَ الْبَوْلُ یترسح مِنْهُ وَهٰذَا لَیْسَ مِنْ بَابِ الْفِقْهِ

دلیل خامس

علامہ کاسانی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے بدائع الصنائع میں اسی اصول کو بڑی وضاحت اور صراحت کے ساتھ تحریر فرما کے اس مسئلہ کو خوب حل فرمایا ہے آپ فرماتے ہیں............

وَمَا وَصَلَ اِلَی الجَوْفِ اَوْ اِلَی الدِمَاغِ مِنَ المَخَارِقِ الاَصْلِیہِ کَالاَنْفِ وَالاذُنِ وَالدُبُرِبِاَن اِسْتَعَطَ اَوْ اَحْتقَنَ اَوِاَقْطَرَ فِی اذُنِہٖ فَوَصَلَ اِلَی الجَوْفِ اَوْ اِلَی الدِمَاغِ فَسَدَ صَوْمَہٗ ......اِلیٰ ...... وَامَّا مَا وَصَلَ اِلَی الْجَوْفِ اَوْ اِلَی الدِمَاغِ مِنْ غَیْرِ مَخَارِقِ الاَصْلِیہِ بِاَنَّ دَاویٰ الجَائِفَۃَ وَالاَمَۃِ فان داواھا بِدَوَاءٍ یَابِسٍ لَا یَفْسُدُ لِاَنَّہٗ لَمْ یَصِلْ اِلَی الجَوْفِ وَلَا اِلَی الدِمَاغِ وَلَوْ عُلِمَ اَنَّہٗ وَصَلَ یَفْسُدُ کَمَا قَوْلُ اَبِی حَنِیفَۃَ (بدائع ج ۲، ۹۳)

یعنی ان کے ارشاد کا خلاصہ یہ ہے کہ کوئی شے خواہ کسی اصلی راستہ سے یا کسی مصنوعی راستہ سے معدہ یا دماغ تک پہنچ جائے تو روزہ ٹوٹ جائے گا جیسے ناک کان مقعد وغیرہ کہ یہ اصلی راستے اور خلائیں ہیں ان میں کوئی چیز ڈالی جائے گی تو وہ معدہ تک پہنچے گی لہٰذا اس سے بھی روزہ ٹوٹ جائے گا اور ایک غیر اصلی راستہ ہے مثلاً سر میں یا معدہ میں کوئی بہت گہرا زخم ہو گیا اور اتنا بڑا سوراخ اور مصنوعی راستہ بن گیا کہ اگر کوئی دوا ڈالیں تو معدہ یا دماغ تک پہنچ جائے تو اس سے بھی روزہ ٹوٹ جائے گا۔ ان عادی یا غیر عادی راستوں کے علاوہ مسامات کے ذریعہ اگر کوئی دوا وغیرہ معدہ تک پہنچے تو روزہ نہیں ٹوٹے گا جیسے مذکورہ بالا دونوں زخموں کے علاوہ کہیں اور کوئی زخم ہے تو اگر اس میں دوا ڈالنے سے بھی وہ دوا مسامات یا رگوں کے ذریعے معدہ تک پہنچ جائے گی لیکن چونکہ کسی راستہ اور خلاء کے ذریعہ براہ راست معدہ تک نہیں پہنچ رہی مسامات کے ذریعہ پہنچ رہی ہے لہٰذا اس سے روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

میرے والد گرامی اور مرشد نامی مفتی اعظم پاکستان حضرت شاہ مفتی محمد محمود الوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے روزہ کے متعلق بڑا جامع ضابطہ بیان کرتے ہوئے تحریر فرمایا............

"دماغ اور پیٹ میں کوئی شے خواہ عادی راہوں مثلاً کان، ناک، پاخانہ عورت کی شرمگاہ کی جگہ سے داخل ہو یا کوئی غیر عادی راہ کھل گئی ہو مثلاً پیٹ کا یا دماغ کا زخم ہو اس راہ سے داخل ہو بس اگر یہ شے مصلح بدن ہے تو خواہ مثل حقنہ وغیرہ کے خود روزہ دار نے اپنے فعل سے اندر داخل کیا ہو یا کسی اور نے بہر صورت روزہ فاسد ہو جائے گا اور اگر اندر پہنچنے والی چیز غیر مصلح بدن ہے تو خود روزہ دار کے فعل سے وہ چیز اندر پہنچی ہے تو روزہ جاتا رہے گا ورنہ نہیں مثل تیر اور چھرے وغیرہ سے کہ اگر کسی نے ایسا مارا کہ پیٹ میں غائب ہو گیا تو روزہ نہیں گیا اور خود ایسا کیا تو روزہ ٹوٹ جائے گا...... اگر کسی راہ سے تو بدن یا دماغ میں کوئی چیز نہیں پہنچی مگر مسامات کے ذریعہ مثلاً تیل کا اثر یا پانی کی ٹھنڈک اندر پہنچی تو اس سے بھی روزہ فاسد نہیں ہوگا...... اگر سر یا دوا آنکھ میں ڈالی یا مرد نے اپنے ذکر کے سوراخ میں تیل ڈالا تو اس سے بھی روزہ فاسد نہیں ہوگا اگر چہ حلق میں مزا دوا کا محسوس ہو کیوں کہ یہ اثر مسامات کے ذریعہ پہنچا۔ نیز مثانہ سے جو چیز اندر جاتی ہے وہ بھی مسامات سے مترشح ہو کر جاتی ہے لہٰذا یہاں بھی روزہ فاسد نہیں ہوا...... انجکشن سے براہ راست معدہ یا دماغ میں کوئی چیز نہیں پہنچتی لہٰذا مفسد صوم نہیں یہ تو فتویٰ ہے اور تقویٰ یہ ہے کہ پرہیز کرو تا کہ روزہ کا مقصد فوت نہ ہو.........."

(رکن دین حصہ کتاب الصیام، مفتی محمد محمود الوری، ص ۷۳، ۷۵)

الکحل والی دوائیں

الکحل، اسپرٹ مینتھول وغیرہ کے متعلق میرے جد امجد (نانا) برصغیر پاک و ہند کے مفتی اعظم حضرت قبلہ شاہ مفتی محمد مظہر اللہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے آج سے تقریباً

ساٹھ ستر سال قبل بڑی نفیس تحقیق فرما کے جامع مسجد فتح پوری دہلی سے ایک فتویٰ جاری فرمایا تھا جو آج بھی ہمارے لئے بہترین مینارہ نور ہے اور الکحل و اسپرٹ وغیرہ جن کا اس زمانہ میں اس قدر کثرت سے استعمال ہو گیا ہے کہ اس سے بچنا مشکل ہو گیا ہے اس کا بہترین حل پیش فرمایا ہے۔ ذرا غور فرمایئے کہ کوئی روغن ہو، کوئی انگریزی دوا ہو، کوئی روشنائی ہو، کوئی پرفیوم یا عطر ہو، کپڑوں کے رنگ ہوں یا ڈیٹول ہوں اور فنائل جیسے گھر میں روزمرہ صفائی اور ستھرائی کے لئے استعمال میں آنے والی چیزیں ہوں، گلے کو صاف کرنے والی گولیاں ہوں یا نزلہ اور زکام جیسے امراض کے لئے معمولی سی دوائیں ہوں الغرض الکحل اسپرٹ وغیرہ ہر جگہ آپ کو نظر آئے گی ایسی کثرت استعمال چیز کا حضرت قبلہ مفتی اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بڑا بہترین حل پیش فرما کے مسلمانوں کے لئے بڑی آسانی اور سہولت پیدا فرما دی ہے۔

آپ کی تحقیق کا نچوڑ اور خلاصہ یہ ہے کہ شراب کی بہت سی اقسام ہیں لیکن جو بالا جماع حرام ہے اور جس شراب کی حرمت نص قطعی سے ثابت ہے اس شراب کو شریعت میں ''خمر'' کہتے ہیں اور خمر کی تعریف یہ ہے کہ......

اَلْخَمْرُ وَ هِيَ النِّيُّ مِنْ مَاءِ الْعِنَبِ اِذَا غَلٰى وَاشْتَدَّ وَ قَذَفَ
بِالزَّبَدِ وَ حَرُمَ قَلِيْلُهَا وَ كَثِيْرُهَا لِعَيْنِهَا وَهِيَ نِجَاسَةٌ مُغَلَّظَةٌ
كَالْبَوْلِ وَ حَرُمَ الْاِنْتِفَاعُ بِهَا وَلَا يَجُوْزُ بَيْعُهَا وَلَا يَجُوْزُ
بِهَا التَّدَاوِيْ ...... اِنْتَهٰى مُلْتَقِطًا

یعنی خمر اس کے کچے شیرہ انگور خالص کا نام ہے جو جوش مار کر نشہ لے آیا ہو۔ پس یہ وہ شراب ہے جو قطعاً حرام ہے اور یہ نجاست غلیظ ہے یہ تھوڑی ہو یا زیادہ اس کے ایک قطرہ کا بھی نہ پینا جائز ہے نہ اس کی بیع و شراء جائز ہے اور نہ اس سے کسی قسم کا انتفاع جائز ہے۔ کسی دوا میں بھی اس کو سوائے اضطرار کے استعمال نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے علاوہ جو دوسری شرابیں ہیں ان کے حکم مختلف ہیں جن کی تفصیل یہ ہے......

باذق...... شیرہ انگور کو پکا کر اگر شراب بنائی جائے اور شیرہ پک کر ثلث سے زائد رہے اور پھر

جوش مار کر نشہ لے آئے تو ایسی شراب کو باذق کہتے ہیں۔

منصف......اور اگر جل کر نصف رہ جائے تو ایسی شراب کو منصف کہتے ہیں۔

نقیع زبیب......اگر پانی میں منقی بھگوئے جائے اور وہ پانی جوش مار کر نشہ لے آئے تو اس کو نقیع زبیب کہتے ہیں۔

سکر......اگر پانی میں چھوارے بھگو دیئے جائیں اور وہ پانی جوش مار کر نشہ لے آئے تو اس کو سکر کہتے ہیں۔

ان چاروں شرابوں کا حکم یہ ہے کہ یہ قلیل تعداد میں ہو یا کثیر تعداد میں ہر حال میں حرام ہے البتہ ان کی نجاست کے بارے میں اختلاف ہے یعنی روایات سے اس کا نجاست غلیظ ہونا ثابت ہوتا ہے اور بعض سے نجاست خفیفہ ہونا ثابت ہوتا ہے اسی طرح انکے بارے میں یہ مسئلہ ہے کہ اگر تھوڑا سا جوش دے لیا جائے تو دوا وغیرہ کے لئے اس مقدار تک ان کا پینا حلال ہے جس میں یہ نشہ پیدا نہ کرے، چنانچہ درمختار میں ہے......

نَبِیْذُ التَمرِ وَ الزَبِیْبِ اِنْ طُبِخَ اَدْنیٰ طبخه یَحِلُ شُرْبُهٗ وَ اِن اشْتَدَّوَ هٰذَا اِذَا شَرِبَ مِنْه بِلَا لَهْوٍ وَ طَرْبٍ فَلَو شَرِبَ لِلَّهْوِ وَ طَرْبٍ فَقَلِیْلُهٗ وَ کَثِیْرُهٗ حَرَامٌ

”کھجور اور منقیٰ کی شراب کو اگر تھوڑا سا پکا لیا جائے تو اس کا پینا حلال ہے اگرچہ وہ گاڑھا ہو جائے اور حلت اس صورت میں ہے جب کہ وہ اس کو لہو ولعب اور محض عیش وعشرت کے لئے نہ پیئے ورنہ اس وقت اس کا زیادہ اور تھوڑا دونوں طرح حرام ہے“۔

ان پانچ شرابوں کے علاوہ شہد، انجیر، گیہوں، جو، گنا، چقندر اور الغرض کسی بھی چیز یا فارمولے سے جو شراب بنائی جائے اس کا حکم یہ ہے کہ اگر اس کو کسی غرض صالح یعنی دوا وغیرہ کے طور پر استعمال کیا جائے تو اس مقدار میں جس میں وہ نشہ نہ لائے اس کا استعمال جائز ہوگا۔ چنانچہ ہدایہ عالمگیری اور درمختار میں ہے.........

نَبِیْذُ الْعَسَلِ وَالتِّیْنِ وَ الْبُرِّ وَ الشَّعِیْرِ وَالذُّرَّۃِ یَحِلُّ سَوَاءً طُبِخَ اَوْلَا بِلَا لَھْوٍ وَ طَرَبٍ

''شہد، انجیر، گیہوں، جو اور مکئی کی شراب حلال ہے خواہ اس کو پکایا جائے یا نہیں بشرطیکہ کھیل کود اور عیش وعشرت کے لئے نہ ہو''۔

ان کی یہ حلت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے قول کے مطابق ہے جب کہ حضرت امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ سے بھی ایک روایت مذہب شیخین کے موافق موجود ہے کہ

کَمَا صَرَّحَ بِھَافِی الْعَالَمِگِیْرِیَۃ و فَتْحِ الْقَدِیْرِ وَ غَیْرِھِمَا

البتہ امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ ان شرابوں کی قلیل اور کثیر تعداد دونوں حرام ہیں اور چونکہ فاسق وفاجر لوگوں نے اس اجازت سے فائدہ اٹھا کر اس کا استعمال کثرت سے شروع کر دیا تھا اور اس سے ان کا مقصد سکر اور نشہ حاصل کرنا تھا اس لئے علماء نے امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے اس قول پر فتویٰ دے دیا کہ ان کا استعمال قلیل ہو یا کثیر سب حرام ہے۔ چنانچہ عینی میں اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا......

اَلْفَتْوٰی فِی زَمَانِنَا بِقَوْلِ مُحَمَّدٍ رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی لِغَلْبَۃِ الْفَسَادِ

ہمارے زمانہ میں فتویٰ امام محمد کے قول پر ہے بوجہ غلبہ فساد کے

''لغلبۃ الفساد'' کی علت سے معلوم ہوا کہ درحقیقت اس ممانعت کی وجہ ''فسق وفجور'' کا سد باب کرنا مقصود ہے کہ لوگ اس اجازت سے فائدہ اٹھا کر نشہ کے لئے عام طور پر شراب پینا نہ شروع کر دیں۔ لہٰذا جہاں یہ علت نہ ہو اور واقعی کوئی ضرورت ہو مثلاً دوا وغیرہ کے لئے وہاں یقیناً اس کا اتنی قلیل مقدار میں استعمال کہ سکر اور نشہ پیدا نہ کرے۔ یقیناً جائز ہوگا کہ اس صورت میں اس کی علت پر امام اعظم، امام ابو یوسف اور ایک اصح روایت کے مطابق امام محمد تینوں متفق ہیں۔

اس تمہید کے بعد آیئے اب دیکھتے ہیں کہ الکحل یا میتھل وغیرہ ملی ہوئی دواؤں کے

متعلق شرعی حکم کیا ہے......؟

میں نے آج کے ماہر اور تجربہ کار ڈاکٹروں اور انگریزی دواساز کمپنیوں کے مالکان سے جب الکحل وغیرہ کے متعلق تفصیل معلوم کی تو پتہ چلا کہ الکحل عام طور پر گنے اور چقندر وغیرہ سے بنائی جاتی ہے یا مصنوعی طریقہ سے دو فارمولوں کو ملا کر بنائی جاتی ہے۔ لہٰذا اس کا حکم وہ ہی ہوگا جو چقندر وغیرہ کی شرابوں کا حکم ابھی تفصیل سے گزرا کہ بطور دوا اتنی مقدار میں اس کا استعمال جائز ہوگا کہ جس میں یہ نشہ نہ لائے جب کہ عام طور پر انگریزی دوا میں اتنی ہی مقدار میں ڈالی جاتی ہے جب کہ دوا کی خوراک بھی ایک یا دو چمچہ ہوتی ہے جن سے سکر پیدا نہیں ہوتا لہٰذا اس کا بطور دوا استعمال جائز ہوگا۔

اور اگر بالفرض الکحل انگور کھجور منقیٰ وغیرہ کے شیرہ سے بھی بنتی ہو تب بھی چونکہ اس کو جوش دے لیا جاتا ہے لہٰذا بطور دوا اس کا قلیل استعمال بھی جائز ہوگا جیسا کہ اس کی تفصیل ما قبل میں گزری ہے۔

حضرت مفتی اعظم شاہ محمد مظہر اللہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس تحقیق کو اپنے الفاظ میں یوں تحریر فرماتے ہیں۔......

"لیکن ہم نے جہاں تک ڈاکٹروں کی زبانی سنا ہے یہی معلوم ہوا کہ یہ اس شراب سے نہیں بنائی جاتی جس کو شرعاً خمر کہا جاتا ہے بلکہ یہ ایسی شراب کا جوہر ہے جو گنے وغیرہ سے بنائی گئی ہے۔ پس اگر یہ صحیح ہے تو اس کا استعمال بغرض صحیح (اس مقدار میں جو مسکر نہیں ہے) حرام نہیں اور اس کی بیع و شراء بھی جائز ہے یہی حکم اس تقدیر پر ہے جن پر باذق یا منصف یا نقیع زبیب وتمر سے بنائی گئی ہو اس لئے کہ اس میں جوش دے دیا گیا ہے۔ لہٰذا عام علماء کے نزدیک اس کا قلیل مطلقاً حرام نہیں ہے کما صرحت من قبل اور اگر اس میں شک ہے کہ یہ شراب سے بنائی گئی ہے یا نہیں یا یہ تو معلوم ہے کہ شراب سے بنی ہے لیکن یہ معلوم نہیں کہ کون سی شراب سے بنی ہے تب بھی یہی حکم ہے۔

لِقَوْلِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ اِذَا كَانَ اَحَدُ كُمْ فِي الصَّلٰوةِ فَوَجَدَ

حَرَ كَةً فِي دُبُرِهِ اَحْدَثَ اَوْ لَمْ يَحْدُثْ فَاشْكَلَ فَلَا يَنْصَرِفُ حَتّٰى يَسْمَعَ صَوْتًا اَوْيَجِدُ رِيْحًا رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَ قَالَ الْفُقَهَاءُ اِنَّ الْيَقِيْنَ لَا يَزُوْلُ بِالشَّكِّ وَالْاَصْلُ فِي الْاَشْيَاءِ الْحِلُّ وَالطَّهَارَةُ

(فتاویٰ مظہری، مرتب ڈاکٹر محمد مسعود احمد، ص ۲۹۰)

ڈاڑھی کا شرعی حکم

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

استفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ ایک مشت ڈاڑھی رکھنا واجب ہے یا نہیں؟ اگر کسی کی ایک مشت سے کم ڈاڑھی ہو تو اس کے پیچھے نماز یا اس کی اذان و اقامت جائز ہے یا نہیں؟

سائل:۔ مولانا مسعود جمال قادری

خطیب جامع مسجد قادری

امانی شاہ کالونی لطیف آباد نمبر 11 حیدر آباد

باسمہٖ سبحانہ و تعالیٰ

ڈاڑھی کو حد شرعی یعنی ایک مشت رکھنا واجب ہے اس سے کم رکھنا یا سرے سے منڈانا قطعاً ممنوع و ناجائز اور حرام ہے۔ اس پر قرآن و حدیث کے بہت سے دلائل موجود ہیں جن میں سے چند پیش کیے جاتے ہیں۔

اول

قرآن پاک میں حضرت ہارون علیہ السلام کا قول منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا یَبۡنَؤُمَّ لَا تَاۡخُذۡ بِلِحۡیَتِیۡ (طٰہٰ:94) یعنی حضرت ہارون علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ "اے میرے ماں جائے بھائی میری ڈاڑھی نہ پکڑیئے"۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضرت ہارون علیہ السلام کی ڈاڑھی تقریباً ایک مشت لمبی تھی کیونکہ ایک مشت سے کم خشخشی ڈاڑھی تو پکڑ میں آ ہی نہیں سکتی جب کہ وہ ڈاڑھی پکڑنے سے حضرت موسیٰ کو منع فرما رہے ہیں۔ معلوم ہوا کہ وہ ڈاڑھی اتنی لمبی تھی کہ پکڑنے میں آ رہی تھی جب کہ قرآن میں دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ ہَدَی اللّٰہُ فَبِھُدٰىہُمُ

اقْتَدِهْ (انعام:90) کہ یہ انبیاء وہ ہیں جنہیں اللہ نے راہ دکھائی تو تم انہی کی راہ کی پیروی کرو۔ اس آیت میں انبیاء علیہم السلام کے طور طریقہ اور ان کے راستہ پر چلنے کا حکم دیا جا رہا ہے جب کہ پچھلی آیت سے ان کا طریقہ ثابت ہو گیا کہ انبیاء کا طریقہ لمبی ڈاڑھی رکھنے کا تھا لہٰذا اس آیت کی رو سے نبیوں کے طریقہ پر چلتے ہوئے لمبی ڈاڑھی رکھنا ضروری ٹھہرا۔

ثانی

ارشاد رب العزت ہے: ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا (نحل:123) ''پھر ہم نے وحی بھیجی کہ دین ابراہیمی کی پیروی کرو'' دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ ۚ اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۡ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَآءُ اَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗٓ اِلَّا قَوْلَ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ وَمَآ اَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ۭ رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَاِلَيْكَ اَنَبْنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ۝ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَاغْفِرْ لَنَا رَبَّنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْهِمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ ۭ وَمَنْ يَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ۝ (الممتحنہ) ''یعنی بے شک تمہارے لیے خوبصورت نمونہ ہے ابراہیم اور ان کے ساتھیوں کی زندگی میں بے شک تمہارے لیے ان میں بہترین نمونہ ہے اس کے لیے جو اللہ اور روز قیامت کا امیدوار ہے اور جو روگردانی کرے اس سے تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے سب خوبیوں سے سراہا ہے''۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں ملت ابراہیمی پر چلنے کا حکم دیا ہے اور اس کو ہمارے لیے بہترین نمونہ قرار دیا اور جو اس پر عمل نہ کرے اس سے اتنی سخت ناراضگی اور نفرت کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ ''اللہ اس سے بے نیاز اور بے پرواہ ہے''۔ جب کہ حدیث پاک سے یہ بات ثابت ہے کہ ڈاڑھی بڑھانا تمام انبیاء کی سنت ہے جیسا کہ حضور ﷺ کا ارشاد مبارک ہے: عشر من الفطرة قص الشارب واعفاء اللحية (سنن نسائی جلد

2 ص274) تو انبیاء میں ابراہیم علیہ السلام بھی آ گئے۔ لہٰذا ڈاڑھی بڑھانا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہوا اور ملت ابراہیمی میں سے بھی ہوا جب کہ مندرجہ بالا آیات مقدسہ میں اللہ تعالیٰ ہمیں ملت ابراہیمی پر عمل کرنے کا حکم دے چکا ہے اور اس پر عمل نہ کرنے والوں پر اپنی بیزاری کا اظہار فرما چکا ہے لہٰذا ثابت یہ ہوا کہ ڈاڑھی بڑھانا قرآن کے اس حکم کی رو سے واجب اور ضروری ہے اور نہ رکھنا اللہ تعالیٰ کے غضب کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔

ثالث

یہ ڈاڑھی بڑھانا نہ صرف یہ کہ تمام انبیاء سابقین کی سنت ہے بلکہ ہمارے آقا و مولیٰ امام الانبیاء حضرت محمد ﷺ کی ایسی سنت مستمرہ ہے کہ کبھی بھی آپ نے اس کو ترک نہیں فرمایا جبکہ رب کائنات کا ارشاد پاک ہے: لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ﴿۲۱﴾ (احزاب) کہ رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی اور ان کے طور طریقوں میں تمہارے لیے بہترین نمونہ ہے لیکن ساتھ ہی یہ بھی فرمادیا کہ میرے محبوب کے اس پیارے طریقہ کو وہی اپنائے گا جس کے دل میں ہمارا اور یوم قیامت کا خوف ہوگا اور جس کا دل ہماری یاد اور محبت سے معمور ہوگا ورنہ دوسرے کے لیے اس حکم پر عمل کرنا مشکل ہو جائے گا۔

رابع

احادیث مبارکہ میں مختلف الفاظ کے ساتھ آنحضرت ﷺ نے ڈاڑھی بڑھانے کا حکم ارشاد فرمایا "خالفوا المشرکین احفوا الشوارب و اوفرو اللحیة" یعنی حضور ﷺ نے فرمایا کہ مشرکوں کے خلاف کرو کہ مونچھیں خوب پست کرو اور ڈاڑھیاں خوب کثیر اور وافر رکھو (موطا امام مالک، مسند احمد، بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ، طحاوی) کہیں فرمایا "احفوا الشوارب و اعفوا اللحی" کہ مونچھیں پست کرو اور ڈاڑھیاں چھوڑے رکھو (مسلم، ترمذی، ابن ماجہ، طحاوی) کہیں ارشاد فرمایا "جزوا لشوارب وا حفوا اللحی" کہ مونچھیں کترواؤ اور ڈاڑھیاں بڑھنے دو (مسند احمد، مسلم،

طحاوی، طبرانی)

بہر حال ان احادیث مبارکہ میں "اوفروا، اعفوا، احفوا" جیسے الفاظ کے ذریعہ ڈاڑھی کو گھنا، لمبا، بڑا کرنے کا حکم صیغہ امر کے ذریعے دیا جا رہا ہے جبکہ امر وجوب کے لیے ہوتا ہے لہٰذا ڈاڑھی کا لمبا کرنا واجب ٹھہرا۔

خامس

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ "ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یاخذ من لحیته من عرضها و طولها" کہ نبی کریم ﷺ اپنی ڈاڑھی مبارک کے بال طول و عرض سے لیتے تھے یعنی تراش لیا کرتے تھے (جامع ترمذی)۔ مرقاۃ میں تنویر کے حوالے سے یہ حدیث لکھی ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بال مبارک جب ایک مشت سے زیادہ ہو جاتے تھے تو آپ ان کو تراش لیا کرتے تھے اور آپ لمبی مدت تک بالوں کو نہیں چھوڑتے تھے بلکہ ہر جمعرات یا جمعہ ڈاڑھی مبارک بنایا کرتے تھے۔ (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ)

اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے بھی یہی ثابت ہے کہ وہ ایک مشت سے زیادہ بال کاٹ لیا کرتے تھے "اخبرنا ابو حنیفة عن الهیثم عن ابن عمر رضی الله عنهما انه کان یقبض علی لحیته ثم یقص ماتحت القبضة" (کتاب الآثار لامام محمد، ابوداوٗد، نسائی مع تغیر قلیل)۔ "کان ابوهریرة رضی الله عنه یقبض علی لحیته فیاخذ ما فضل من القبضة" مصنف ابوبکر بن ابی شیبہ) فتح القدیر میں لکھا ہے "مع انه روی عن النبی صلی الله علیه وسلم"۔

لہٰذا احادیث مبارکہ کے باعث آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام کے عمل سے ڈاڑھی کی لمبائی اور چوڑائی کی ایک حد مقرر ہو گئی کہ وہ ایک مشت تک لمبا چوڑا کرنا ہے اگر یہ احادیث نہ ہوتیں تو دلیل رابعہ میں جو احادیث ذکر کی گئی ہیں جن میں مطلقاً بڑھانے کا حکم ہے اس کی

بناء پر خواہ ڈاڑھی کتنی ہی لمبی ہو جائے اس کا کاٹنا منع ہوتا لیکن چونکہ یہ احادیث آ گئی ہیں جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام کے ایک مشت ڈاڑھی رکھنے کا حکم ہے تو معلوم یہ ہوا کہ "اعفو، احفوا، اوفروا" میں جو ڈاڑھی بڑھانے اور زیادہ کرنے کا حکم ہے وہ صرف ایک مشت تک ہے۔

سادس

ڈاڑھی منڈوانا یا ایک مشت سے کم کتروانا درحقیقت "مثلہ" ہے یعنی چہرے کا بگاڑنا اور مسخ کرنا ہے جب کہ "مثلہ" کرنے والے کے لیے احادیث میں اللہ تعالیٰ کی لعنت آئی ہے۔ "لعن الله من مثل بلحيوان" آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے کسی جاندار کے ساتھ مثلہ کیا اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔ ایک اور حدیث میں فرمایا "من مثل بالشعر فليس له عند الله خلاق" یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو بالوں کے ساتھ مثلہ کرے اللہ کے یہاں اس کا کچھ حصہ نہیں (طبرانی ومعجم کبیر بسند حسن)۔ غور فرمایئے کیسی سخت وعید ہے جب کہ بحر الرائق، بدائع، کافی شرح وافی، تبیین الحقائق میں واضح طور پر لکھا ہے کہ "حلق اللحية من باب مثله" کہ ڈاڑھی کا منڈوانا مثلہ ہے۔

سابع

ڈاڑھی منڈوانا درحقیقت عورتوں کے ہمشکل اور مشابہ بننا ہے جبکہ بکثرت احادیث مبارکہ میں عورتوں کی مشابہت پیدا کرنے اور ان کی وضع اپنانے والوں پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے "لعن الله المتشبهين من الرجال بالنساء و المتشبهات من النساء بالرجال" کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ ان مردوں پر اللہ کی لعنت ہے جو عورتوں سے مشابہت پیدا کریں اور ان کی وضع بنائیں اور ان عورتوں پر بھی اللہ کی لعنت ہے جو مردوں کی وضع اپنائیں اور ان کی مشابہت پیدا کریں۔ (بخاری، ترمذی، مسند احمد، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ)۔ طبرانی شریف کی دوسری روایت میں تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہاں تک فرما دیا کہ ایسے مشابہت کرنے والے مرد اور عورتیں ہم میں سے نہیں اور ایسے لوگ

جنت میں کبھی نہیں جائیں گے۔ جبکہ مسند احمد و نسائی کی ایک روایت میں ہے کہ ایسی وضع بنانے والوں پر اللہ تعالیٰ قیامت کے دن نظر رحمت نہیں فرمائے گا اسی لئے درمختار میں ڈاڑھی کاٹنے کو حرام قرار دیتے ہوئے اس کی یہی وجہ ذکر کی ہے کہ اس میں عورتوں سے تشبہ پایا جاتا ہے جو شریعت میں حرام اور ناجائز ہے "ولذا یحرم علی الرجل قطع لحیة والمعنی الموثر التشبه بالرجال" (درمختار)

ثامن

ڈاڑھی مونڈنا اور ایک مشت سے کم رکھنا یہ یہود و نصاریٰ کا شعار اور ان کا طریق ہے لہٰذا جو مسلمان ایسا کرتا ہے وہ گویا یہود و نصاریٰ اور مشرکین سے مشابہت پیدا کر رہا ہے جبکہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ ذلت وخواری اس کے لئے رکھ دی گئی ہے جو میرے حکم کی خلاف ورزی کرے اور جو کسی قوم سے مشابہت پیدا کرے وہ انہی میں سے ہے۔

"جعل الذل و الصفار علی من خالف امری و من تشبه بقوم فهو منهم"۔

(بخاری، احمد، ابویعلی، طبرانی)

ایک اور روایت میں سرکار ﷺ نے فرمایا کہ جس نے ہمارے غیر سے تشبہ کیا وہ ہم میں سے نہیں لہٰذا جو ڈاڑھی کترواکر یہود و نصاریٰ سے مشابہت کر رہے ہیں وہ غور کریں کہ سرکار ﷺ اپنے میں سے نکال کر اس کو کتنی سخت وعید سے ڈرا رہے ہیں۔

تاسع

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ڈاڑھی پوری ایک مشت نہ رکھنا حضور ﷺ کی سنت مستمرہ کی خلاف ورزی ہے جبکہ مشہور حدیث مبارک ہے "من رغب عن سنتی فلیس منی" کہ جو شخص میری سنت سے منہ پھیرے وہ میرے گروہ میں سے نہیں (ابن عساکر)۔

ابن ماجہ میں یہی حدیث ان الفاظ میں ہے "من لم یعمل بسنتی فلیس منی" کہ جو شخص میری سنت پر عمل نہ کرے وہ مجھ سے نہیں۔ (ابن ماجہ)

عاشر

سنن نسائی شریف کی روایت ہے "ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال يا رويفع لعل الحياة ستطول بک بعدی فاخبر الناس انه من عقد لحية او تقلدوترا او استنجی برجيع دابة او عظم فان محمد بری منه" آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ رویفع میں امید کرتا ہوں کہ تو میرے بعد لمبی عمر پائے گا تو تو لوگوں کو خبر دیجیو کہ جو اپنی ڈاڑھی کو باندھے یا کمان کا چلہ گلے میں لٹکائے یا کسی جانور کی لید، گوبر یا ہڈی سے استنجی کرے تو بے شک محمد ﷺ اس سے بیزار ہیں۔ (سنن نسائی و سنن ابوداؤد)

علامہ طیبی شرح مشکوٰۃ میں اور علامہ طاہر مجمع بحار الانوار میں لکھتے ہیں کہ اس زمانہ میں متکبر ٹھاکروں اور کافروں کا یہ طریقہ تھا کہ وہ ڈھاٹے باندھ باندھ کر ڈاڑھی کو اوپر چڑھایا کرتے تھے تو چونکہ ڈاڑھی کو باندھنے میں ان کافروں سے تشبہ ہے اس لئے آنحضرت ﷺ نے اس کے متعلق سخت وعید ارشاد فرمائی ہے کہ محمد ﷺ اس سے بیزار ہیں۔

اب ذرا اندازہ کیجئے کہ ڈاڑھی کو رکھتے ہوئے کافروں کا تشبہ اختیار کرنا جب آنحضرت ﷺ کی سخت ناراضگی اور بیزاری کا باعث ہے تو جو سرے سے منڈوا کر یا ایک مشت سے کم کتروا کر مجوسیوں، یہودیوں، نصرانیوں اور مشرکوں سے تشبہ اختیار کریں گے وہ کس قدر حضور ﷺ کے غضب و ناراضگی اور بیزاری کا سبب بنیں گے۔ اس تصور سے بھی دل کانپ جاتا ہے کیونکہ حضور ﷺ ہم سے بیزار ہو گئے تو ہمارا پھر کہاں ٹھکانہ۔ اسی طرح کتاب الخمیس فی احوال انفس نفیس (ﷺ) میں ہے کہ جب آنحضرت ﷺ نے بادشاہوں کو مکاتیب ارسال فرمائے تو باذان بادشاہ نے اپنے داروغہ کو آپ کی خدمت میں بھیجا جو ڈاڑھی منڈا ہوا تھا اور لمبی مونچھیں رکھ کر جب رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا تو حدیث میں آتا ہے "فكره النظر اليها و قال ويلكما من امر كما بهذا" آپ نے بڑی کراہت سے اس کی طرف دیکھا اور آپ کو ان کی طرف نظر فرماتے ہوئے کراہت آئی۔ آپ نے فرمایا تمہیں کس نے ایسا کرنے کو کہا ہے تو انہوں نے کہا کہ ہمارا رب خسرو

پرویز نے ہمیں حکم دیا ہے۔ آپ نے فرمایا میرے رب نے مجھے یہ حکم دیا کہ ڈاڑھی بڑھاؤ اور مونچھیں کم کراؤ۔ جو لوگ آج حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کے خلاف چل کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایذا پہنچا رہے ہیں ذرا غور کریں کہ کل قبر میں اور حشر میں جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائیں گے اور آپ نے خسرو پرویز کے ان آدمیوں کی طرح اس شکل کو دیکھ کر کراہت فرمائی اور اپنی نگاہ رحمت پھیر لی تو ان کا کیا بنے گا؟

ڈاڑھی کا وجوب

ان مندرجہ بالا دلائل کی روشنی میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ایک مشت ڈاڑھی رکھنا واجب ہے اور اس کا منڈانا یا ایک مشت سے کم کرنا حرام ہے کیونکہ سابقہ احادیث سے یہ ثابت ہو گیا کہ یہ تمام انبیاء کی سنت رہی ہے۔ سابقہ تمام ادیان اور شرائع کا یہ اجماعی مسئلہ رہا ہے پھر خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کسی عمل کو بغیر ترک کیے مواظبت اور ہمیشگی کے ساتھ کرنا "وجوب" کی دلیل ہے۔ "عدم الترک مرة دلیل الوجوب" (فتح القدیر باب الاذان) لہٰذا اول تو صرف حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہمیشگی کے ساتھ کرنا ہی اس کے واجب ہونے کے لئے کافی تھا جبکہ آپ نے چار مختلف امر کے صیغوں کے ذریعہ ڈاڑھی بڑھانے کا حکم دے کر بھی ارشاد فرمایا یعنی اعفوا، اوفوا، احفوا، وفروا، ان چار الفاظ کے معنی صرف ڈاڑھی رکھنے کے نہیں ہیں بلکہ ڈاڑھی بڑھانے، زیادہ کرنے، گھنی کرنے کے آتے ہیں اور وہ بھی ان چاروں الفاظ کو امر کے صیغہ کے ساتھ لا کر ایک مشت تک ڈاڑھی بڑھانے کا حکم دیا کیونکہ دوسری حدیث میں ایک مشت کے بعد ڈاڑھی کا کاٹنا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام سے ثابت ہے۔ لہٰذا ان احادیث میں ڈاڑھی کے بڑھانے کے حکم سے مراد ایک مشت تک بڑھانا مراد ہوگا جبکہ امر کا صیغہ فقہ کے اندر وجوب کے لئے آتا ہے لہٰذا ان چاروں الفاظ کو امر کے صیغوں کے ساتھ لا کر واضح طور پر یہ بتا دیا گیا کہ ڈاڑھی ایک مشت تک رکھنا واجب ہے۔

ہوسکتا ہے کوئی یہ اعتراض کر دے کہ "امر" کا صیغہ استحباب کے لئے بھی تو آتا ہے۔ لہٰذا یہاں استحباب کے لئے ہے اور وجوب کے معنی میں نہیں لیکن یہ اس کا اعتراض درست

نہیں کیونکہ امر کی اصل وضع تو وجوب کے لئے ہے یہ اس کے حقیقی معنی ہیں ہاں اگر قرائن ایسے موجود ہوں جو حقیقی معنی لینے سے مانع ہوں اور استحبابی معنی پر دال ہوں تو اس وقت اس کے استحبابی معنی مراد لئے جا سکتے ہیں جبکہ یہاں تو کوئی ایسا قرینہ نہیں پایا جاتا جو اس کے حقیقی معنی لینے سے مانع ہو بلکہ تمام قرائن جس کی تفصیل گزشتہ اوراق میں آ چکی ہے وہ تمام کے تمام وجوب والے معنی لینے کی تائید اور تاکید کرتے ہیں۔ لیکن چونکہ پھر بھی استحبابی معنی کا وہم اور اعتراض ہو سکتا تھا اس لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ایک حدیث مبارک میں لفظ ''امر'' لا کر اس خدشہ اور وہم کو بھی دور فرما دیا۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے ''عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ امر باحفاء الشوارب واعفاء اللحیۃ'' کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مونچھیں پست کرنے اور ڈاڑھیاں بڑھانے کا ''امر'' فرمایا یعنی حکم دیا۔ لہٰذا ڈاڑھی بڑھاؤ کے امر اور حکم میں جو ایک شبہ اور وہم یہ ہو سکتا تھا کہ یہ استحباب والا حکم ہے چاہے بڑھاؤ چاہے نہ بڑھاؤ اس بات کا رد کر دیا لفظ ''امر'' لا کر یعنی حکم کا لفظ لا کر اور وضاحت فرما دی کہ اس کو استحبابی معاملہ نہ سمجھنا بلکہ ہم تمہیں حکم دے رہے ہیں کہ یہ کام ضرور کرنا ہے۔ اس کی مثال ایسے ہی ہے کہ جیسے کسی کو کہا جائے کہ ''ٹوپی پہنو'' تو یہ اگرچہ امر اور حکم ہے اور اس حکم کے بعد اسے فوراً ٹوپی پہننی چاہیے لیکن ہو سکتا ہے کہ وہ یہ گمان کرے کہ یہ اخلاقی طور پر کہا گیا ہے اور یہ ایجابی امر نہیں ہے جس کی تعمیل واجب ہو لہٰذا ٹوپی پہن لو تو اچھا ہے اور نہ بھی پہنوں تو کوئی حرج نہیں۔ لیکن اگر اس کے ساتھ کوئی یہ بھی کہہ دے کہ ''میں تم کو حکم دے رہا ہوں کہ ٹوپی پہنو تو اب یہاں یہ احتمال ختم ہو جائے گا کہ یہ محض اخلاقی طور پر کہا جا رہا ہے بلکہ اس کے معنی متعین ہو جائیں گے کہ سختی کے ساتھ اس کام کو کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے اور اس کا کرنا واجب ہے۔ اسی طرح یہاں بھی صحابی کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ ''ڈاڑھی بڑھاؤ'' لہٰذا اب کوئی یہ نہ سمجھے کہ یہ استحبابی امر ہے بلکہ یہ وجوبی امر ہے اور اس پر عمل کرنا لازم ہے۔

اور اس کا وجوب اس وقت اور زیادہ مؤکد ہو جاتا ہے جب یہ حدیث ہمارے سامنے

آتی ہے جس میں سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا "ربی امرنی باعفاء لحیتی و قص شوار بی" کہ میرے رب نے مجھے ڈاڑھی بڑھانے اور مونچھیں کتروانے کا حکم دیا ہے (الطبقات الکبری لا بن سعد) اللہ اکبر کس قدر سخت تاکیدی اور وجوبی حکم ہے کہ رب ذوالجلال اپنے نبی کو ڈاڑھی بڑھانے کا حکم دے رہا ہے اور اس کا نبی اپنی امت کو بڑھانے کا حکم دے رہا ہے لہٰذا اب اس کے وجوب میں کون شک کر سکتا ہے۔

صرف یہی نہیں کہ مؤکد حکم دے دیا بلکہ اس کے ساتھ "خالفوا المشرکین" اور "خالفوا المجوس" (یعنی مشرکین اور مجوس کی مخالفت کر کے ڈاڑھی بڑھاؤ) یہ فرما کر ڈاڑھی ایک مشت سے کم رکھنے والوں کو برے انجام سے ڈرا دیا کہ ڈاڑھیاں کتروانا منڈوانا یہ مشرکین اور مجوسیوں کا طریقہ ہے لہٰذا جو ان کے ساتھ مشابہت پیدا کرے گا اس پر اللہ اور اس کے رسول کی لعنت ہوگی اور ان ہی کے ساتھ جہنم میں ہوگا کیونکہ "من تشبه بقوم فهو منهم"۔ لہٰذا جس بات پر تمام انبیاء و مرسلین بالخصوص خاتم النبیین و رحمت اللعالمین ﷺ اور آپ کے تمام صحابہ، تابعین و تبع تابعین کا اجماع رہا ہو، جس کے تاکیدی حکم دیے گئے ہوں اور جس کے نہ کرنے پر وعیدیں آئی ہوں تو ایسا کام یقیناً واجب ہوگا اور اس کا ترک یقیناً حرام اور سخت گناہ کا باعث ہوگا۔

اقوالِ فقہاء

اسی اہمیت کے پیش نظر تقریباً تمام ہی فقہاء اس بات پر متفق نظر آتے ہیں کہ ڈاڑھی رکھنا واجب ہے اور اس کا منڈوانا یا کتروانا حرام ہے۔ معتبر فقہاء و مجتہدین اور آئمہ کرام کے چند اقوال اور عبارات پیش کی جاتی ہیں۔

1۔ ہمارے امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی مسلک ہے کہ ڈاڑھی ایک مشت رکھی جائے۔ چنانچہ آپ کے شاگرد امام محمد فرماتے ہیں "فقال محمد اخبرنا ابو حنیفة عن الهيثم عن ابن عمر انه كان يقبض على لحيته ثم يقص ماتحت القبضة قال محمد و به ناخذ و هو قول ابى حنيفة"۔ (کتاب الآثار لا مام محمد

مطبوعہ لکھنؤ ص 151)

2۔فقہ مالکی میں بھی ڈاڑھی کا منڈوانا اور کتروانا حرام ہے چنانچہ "الابداع" میں ہے "مذهب السادة المالكية حرمة حلق اللحية و كذا قصها اذا يحصل به المثله" (الابداع)۔حضرات مالکیہ کا مذہب یہ ہے کہ ڈاڑھی کا منڈوانا حرام ہے اسی طرح اس کا کتروانا بھی حرام ہے جبکہ اس سے صورت بگڑ جائے۔

3۔فقہ شافعی میں بھی کچھ اسی طرح لکھا ہے "قال الاوزاعی الصواب تحريم حلقها جملة بغير علة و قال ابن رافع ان الشافعی نص فی الام بالتحريم" (شرح العباب سید جمال الدین عبداللہ بن محمد الحسینی)۔امام اوزاعی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ صحیح یہی ہے کہ بلاضرورت شدید ڈاڑھی کا منڈوانا حرام ہے اور امام ابن رافع کہتے ہیں کہ کتاب "ام" میں خود امام شافعی نے اس کے حرام ہونے کی تصریح کی ہے۔

4۔فقہ حنبلی کی کتاب میں لکھا ہے "المعتمد حرمة حلقها و منهم من صرح بالحرمة ولم يحک خلافا کصاحب الانصاف"۔معتبر قول یہی ہے کہ ڈاڑھی کا منڈوانا حرام ہے اور بعض علماء مثلاً مؤلف انصاف نے حرمت کی تصریح کی ہے اور اس حکم میں کسی کا بھی خلاف نقل نہیں کیا۔(شرح المنتہیٰ)

5۔علامہ توریشتی،علامہ طیبی،ملاعلی قاری جیسے عظیم محدثین اور فقہاء فرماتے ہیں کہ ڈاڑھی کا کتروانا مشرکین اور یہود ونصاریٰ کی عادت ہے اور ان کا طور طریقہ ہے "قص اللحية كان من صنيع الاعاجم و هو اليوم كثير من المشركين كالا فرنج واليهود ومن لا خلاق لهم فی الدين"۔

(شرح مصابیح/طیبی شرح مشکوٰۃ،مرقاۃ شرح مشکوٰۃ)

6۔"ازالة الشعر من الوجه حرام الا اذا انبت للمرأة لحية او شوارب فلا تحرم ازالة بل تستحب"۔منہ سے بال دور کرنا حرام ہے مگر عورت کی ڈاڑھی آجائے تو اسے حرام نہیں۔(درالمختار)

7۔"لا یحل للرجل ان یقطع للحیة" مردوں کو ڈاڑھی کا کاٹنا جائز نہیں۔
(وجیز شمس الائمہ کردی)

8۔"ولذا یحرم علی الرجل قطع لحیة" مرد پر ڈاڑھی کا کاٹنا حرام ہے۔
(درمختار)

9۔شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "علت در حرمت حلق لحیة ہمیں است"۔(اشعۃ للمعات)

10۔محمد بن ہمام، ابن نجیم، علامہ شرنبلالی، محمد بن علی دمشقی جیسے فقہ حنفی کے عظیم فقہاء تو یہاں تک لکھتے ہیں کہ ایک مشت سے کم ڈاڑھی رکھنے کو کسی نے جائز قرار نہیں دیا۔"الا خذ من اللحیة و ھی دون القبضة کما یفعله بعض المغاربة و محنثة الرجال فلم یبحه احد و اخذ کلھا فعل المجوس الاعاجم والیھود و الھنود بعض اجناس الافرنج"۔
(حاشیہ الدرر والغرر، فتح القدیر، بحرالرائق، درمختار، حاشیہ مراقی الفلاح کتاب الصوم)

قائلین جواز کے دلائل

جو لوگ ڈاڑھی منڈوانے اور کتروانے کے جواز کے قائل ہیں اور اس فعل کو حرام قرار نہیں دیتے اور نہ ہی ایک مشت ڈاڑھی رکھنے کو واجب کہتے ہیں آیئے ان کے دلائل کا جائزہ لیں کہ ان کے دلائل کہاں تک درست ہیں۔

محمود شلتوت کا استدلال

مصر کے ایک مشہور و معروف اسکالر الشیخ محمود شلتوت کے نزدیک ڈاڑھی رکھنا ایک مسنون اور مستحب فعل ہے اگر کوئی رکھ لے تو ثواب اور اگر کوئی نہ رکھے تو کوئی گناہ نہیں اس پر وہ دلیل دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"وقد وردت عنه صلی اللہ علیه وسلم احادیث ترغب فی توقیرھا ضمن امور تتصل کلھا بالنظافة و تحسین الھیئة و اظھار الوقار وعرفت

تلک الاحادیث عند العلماء باحادیث خصال الفطرة او سننها و الکلمة نعنی الآن الاشیاء التی تتفق و خلق الانسان فی احسن ماشاء الله من الصور و کان من هذا الخصال الواردة مع اعفاء اللحیة فی تلک الاحادیث السواک وقص الشوارب و غسل البراجم وهی عقد الاصابع ومعاطفها و استنشاق الماء و ازالة شعر الابط و العانة و الختان وقد اخذت هذه الخصال عند کثیر من الفقهاء الباحثین عن احکام الشریعة حکم السنیة او الاستحباب و اخذت حکم الکراهة و اعفاء اللحیة و احدة من هذا الخصال لا یعدو حکمه حکمها وهی السنةُ و لاستحباب"۔

(الفتاویٰ محمود شلتوت مطبوعہ بیروت ص 228)

شیخ محمود شلتوت کے استدلال کا خلاصہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ سے بعض احادیث آئی ہیں جن میں نظافت، پاکیزگی اور ستھرائی سے متعلق بعض امور کا ذکر ہے جیسے ناخن کاٹنا، ناک میں پانی ڈالنا، مسواک کرنا، بغل کے بال لینا وغیرہ وغیرہ۔ اسی کے ساتھ ڈاڑھی بڑھانے کا بھی ذکر ہے لہٰذا جو ان امور کا حکم ہوگا وہی ڈاڑھی بڑھانے کا بھی حکم ہوگا تو چونکہ فقہاء کے نزدیک ان امور کا حکم سنت اور استحباب کا ہے لہٰذا ڈاڑھی کا حکم بھی سنت اور استحباب کا ہوگا اور سنت استحباب کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ اگر کرلو تو ثواب اور اگر نہ کرو تو کوئی گناہ نہیں ہے لہٰذا ڈاڑھی کا بھی حکم یہی ہوگا۔

جواب

شیخ محمود شلتوت کا یہ استدلال غلط ہے کہ چند چیزوں کا کسی سلسلہ میں ایک ساتھ ذکر آجائے تو سب کا حکم ایک ہوگا یہ اصول بالکل غلط ہے دیکھئے قرآن پاک میں ارشاد رب العزت ہے: كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ (انعام: 141)۔ اس آیت مبارکہ میں دو چیزوں کا ذکر ہے ایک یہ کہ جب تمہارے باغات میں پھل لگیں تو ان پھلوں کو کھاؤ اور دوسرا حکم یہ ہے کہ ان پھلوں اور باغ کی پیداوار پر اس کی زکوٰۃ یعنی عشر ادا

کرو۔اب ان دونوں چیزوں کا حکم علیحدہ علیحدہ ہے۔اپنے باغ کے پھل کھانا کوئی واجب یا فرض نہیں بلکہ مباح ہے جب کہ عشر نکالنا واجب ہے حالانکہ ان دونوں چیزوں کا ایک ساتھ ایک ہی آیت میں ایک ہی سلسلہ میں ذکر آرہا ہے۔لیکن دونوں کے حکم جدا جدا ہیں۔اسی طرح یہاں بھی اس حدیث پاک میں یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ بغل کے بال لینا، مسواک کرنا، ناخن کتروانا، ڈاڑھی بڑی کرنا یہ وہ امور ہیں جو انبیاء کی بھی سنت اور ان کی عادت خاصہ رہے ہیں۔اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ڈاڑھی بڑھانے کا مسواک کرنے کے ساتھ ذکر آگیا تو مسواک کی طرح یہ بھی سنت ہو گیا اگرچہ ان دونوں کا ذکر ساتھ ساتھ ہے لیکن حکم دونوں کا جدا جدا ہے۔مسواک کرنا مستحب ہے جب کہ ڈاڑھی رکھنا واجب ہے۔

بلکہ بعض شارحین حدیث تو فرماتے ہیں کہ بعض احادیث میں تو ان امور کے ساتھ ختنہ کرنے کا بھی ذکر ہے جو محدثین اور فقہاء کی نظر میں واجب ہے لیکن یہاں بعض مستحب چیزوں کے ساتھ اس کا ذکر آیا ہے اب اس کا یہ مطلب نہیں کہ اگر کسی مستحب کے ساتھ اس کا ذکر آگیا تو ختنہ کرنے کو بھی مستحب قرار دے دو بلکہ وہ واجب ہی رہے گا چنانچہ عمدۃ القاری میں ہے۔

"واللفظ للخطیب ھذا الخصال منھا ما ھو واجب کالختان و ما ھو مندوب ولا مانع من اقتران الواجب بغیرہ کما قال تعالٰی کلو من ثمرہ اذا اثمر واتو حقہ یوم حصادہ فایتاء الحق واجب والا کل مباح "(عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری، فتح الباری شرح صحیح بخاری، ارشاد الساری شرح صحیح بخاری)

ان خصلتوں میں سے بعض تو واجب ہیں جیسے ختنہ کرنا اور بعض وہ ہیں جو مستحب ہیں اور کوئی ممانعت نہیں کہ واجب کو غیر واجب کے ساتھ ملا کر لایا جائے جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "کلوا من ثمرہ اذا اثمرو اتوا حقہ یوم حصادہ" اس میں حق دینا واجب ہے جب کہ پھل کا کھانا مباح ہے۔

بہر حال جس طرح ختنہ کرنا واجب ہے لیکن مستحب امور کے ساتھ اس کا ذکر آنے پر وہ

مستحب نہیں ہو گیا۔ اسی طرح ڈاڑھی رکھنا بھی واجب ہے جس کا وجوب دوسری احادیث میں صیغہ امر اور لفظ ''امر'' اور ''خالفوا المجوس'' وغیرہ الفاظ سے ثابت ہو چکا ہے لہٰذا ایسے اہم واجب کا محض کسی مستحب کے ساتھ ذکر آ جانے سے اس کا وجوب ختم نہیں ہوگا۔

علامہ غلام رسول سعیدی کا استدلال

اس مندرجہ بالا عربی عبارت سے معاصر محترم حضرت علامہ غلام رسول سعیدی کے استدلال کا جواب بھی آ گیا وہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں نص صریح ہے کہ ڈاڑھی بڑھانا سنت ہے جس طرح اس کے ساتھ نو اور سنتیں ہیں۔

(شرح صحیح مسلم از علامہ غلام رسول سعیدی جلد اول ص 428)

جواب

اس حدیث سے قبل مسلم شریف ہی کے اندر ایک اور حدیث مبارک ہے جس میں ناخن کاٹنے کے ساتھ ختنہ کرانے کا بھی ذکر آیا ہے اور اس کو بھی آنحضرت ﷺ نے ''فطرت'' یعنی انبیاء کی سنت فرمایا ہے لیکن اس کے باوجود محدثین اور فقہاء ختنہ کرانے کو واجب فرما رہے ہیں اور ناخن کاٹنے کو سنت و مستحب۔ جیسا کہ ابھی عبارت اوپر گزری ہے اس سے پتہ چلا کہ فطرت سے اصطلاحی سنت والے معنی مراد نہیں ہیں بلکہ اس کے معنی ہیں کہ یہ انبیاء کا طریقہ اور دستور رہا ہے جب کہ ان میں سے بعض امور کا حکم بعض سے جدا ہے۔ اگر فطرت کے اصطلاحی سنت والے معنی مراد ہوتے تو ختنہ جس کو حضور ﷺ فطرت فرما رہے ہیں اس کو محدثین کبھی بھی واجب نہیں لکھتے۔ لہٰذا جس طرح ختنہ کرانا فطرت یعنی سنت انبیاء میں شامل ہونے کے باوجود وجوب کا حکم رکھتی ہے اس طرح ڈاڑھی بڑھانا بھی فطرت میں شمار ہونے کے باوجود اور مستحبات کے ساتھ اس کا ذکر آنے کے باوجود یہ بھی وجوب کا حکم رکھے گی۔ جس طرح مندرجہ بالا آیت مبارکہ میں ایتاء حق کا ذکر ''اکل ثمر'' کے ساتھ ہونے کے باوجود اکل ثمر حلال اور مباح رہا اور ایتاء حق واجب رہا۔ اسی طرح یہاں بھی ناخن کاٹنا اور دیگر امور سنت اور مستحب ہیں اور ان کے ساتھ ڈاڑھی کا ذکر

ہے وہ واجب رہے گی۔

شیخ شلتوت کا قول

آگے چل کر شیخ شلتوت ڈاڑھی منڈوانے اور کتروانے کی حرمت پر جو لوگ استدلال کرتے ہیں ان کے استدلال کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"نعم جاء فی احادیث خاصة باللحية الامر بالا عفاء والتو فير عللت ذالک بمخالفة المجوس والمشركين و من هنا فقط اخذ بعض العلماء ان حلق اللحية حرام او منكر والذى نعرفه فى كثير مما ورد عن الرسول فى مثل هذه الخصال ان الامر كما يكون للوجوب يكون لمجرد الامر الارشاد الى ماهو الافضل۔ وان مشابهه المخالفين فى الدين انما تحرم فيما يقصد فيه التشبه من خصائصهم الدينية۔ اما مجرد المشابهة فيما تجرى به العادات و الاعراف فانه لاباس بها والاكراهة فيها ولا حرمة

(الفتاوی محمود شلتوت مطبوعہ بیروت ص 228)

ان کا کہنا یہ ہے کہ حدیث مبارک میں جو آیا ہے "خالفوا المجوس والمشركين" کہ ڈاڑھی بڑھاؤ اور مجوس اور مشرکین کی مخالفت کرو۔ اس سے بعض علماء نے ڈاڑھی منڈانے کے حرام ہونے کا جو استدلال کیا ہے وہ درست نہیں کیونکہ مجوس اور مشرکین یا جو بھی مخالفین فی الدین ہوں ان سے مشابہت اختیار کرنا اس وقت حرام ہوگا جب قصد تشبہ پایا جائے یعنی ان سے تشبہ کی نیت و ارادہ اور قصد بھی ہو۔ محض ان کے عادات و اطوار میں مجرد مشابہت نہ مکروہ ہے نہ حرام۔ اس پر شیخ شلتوت دلیل دیتے ہیں کہ جیسے قبعہ (اونی ٹوپی اور کنٹوپ) کہ یہ اکثر پادری اور عزت پسند لوگ دوسرے مذاہب کے پہنتے ہیں اور ڈاڑھیاں بھی رکھتے ہیں لہٰذا ان سے تشبہ کی بناء پر آج قبعہ (کنٹوپ) پہننا اور ڈاڑھیاں رکھنا حرام ہونا چاہیے حالانکہ ایسا نہیں ہے کیونکہ اس میں قصد تشبہ نہیں پایا گیا لہٰذا یہاں بھی اگر ڈاڑھی منڈوانے میں قصد تشبہ پایا جائے تو حرام ہوگا لیکن اگر قصد تشبہ نہ ہو تو ڈاڑھی

منڈانا حرام نہیں ہوگا۔

جواب

شیخ شلتوت نے ''حرمت تشبہ'' کی صرف ایک وجہ بیان کی ہے لیکن اس کا مکمل اصول بیان نہیں کیا۔ علماء اور فقہاء نے حرمت تشبہ کی کئی وجوہ بیان کی ہیں ان میں ایک وجہ یہ ہے کہ بدمذہبوں کے ساتھ تشبہ اس وقت حرام ہوگا جب ان کے ساتھ تشبہ کا قصد پایا جائے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ شے ان بدمذہبوں کا شعار ہو تب بھی حرام ہوگا تیسری یہ کہ جس چیز میں تشبہ اختیار کیا جارہا ہے وہ چیز فی نفسہ ممنوع اور مذموم ہو تو اس وقت بھی تشبہ حرام ہوگا۔ چنانچہ بحرالرائق اور درمختار جیسی فقہ حنفی کی معتبر کتابوں میں ان اصولوں کو یوں بیان کیا گیا ہے ''التشبه باهل الكتاب لايكره في كل شي فانا ناكل و نشرب كما يفعلون ان الحرام التشبه بهم فيما كان مذموما او فيما يقصد به التشبه''۔ ملاعلی قاری رحمۃ اللہ علیہ منح الروض میں فرماتے ہیں ''انا ممنوعون من التشبه بالكفرة و اهل البدعة المنكرة في شعارهم لامنهيون عن كل بدعة ولو كانت مباحة سواء كانت من افعال اهل السنة او من افعال الكفرة واهل البدعة فالمدار على الشعار''۔

فقہاء کی ان عبارات اور ان میں بتائے گئے اصولوں کی روشنی میں داڑھی منڈوانا یا ایک مشت سے کم کروانا چونکہ مشرکین اور یہود و نصاریٰ کا شعار ہے اس لئے اسکے ساتھ تشبہ حرام اور ممنوع ہوگا جب کہ حرمت تشبہ کی یہاں تیسری وجہ بھی موجود ہے کہ یہ امر یعنی داڑھی کا منڈانا اور ایک مشت سے کم کروانا چونکہ شرعاً مذموم ہے اس لئے اس کے ساتھ تشبہ حرام ہوگا۔

شیخ شلتوت نے داڑھی کو کنٹوپ پر جو قیاس کیا ہے وہ غلط ہے کیونکہ کنٹوپ غیر مذہبوں کا شعار نہیں اور نہ ہی وہ ہمارے مذہب میں مذموم ہے بلکہ اکابرین اسلام سے اس کا پہننا ثابت ہے لہٰذا اگر وہ بدمذہب پہنتے ہیں تو اس کی وجہ سے مسلمانوں کے لیے اس کا پہننا

ناجائز نہیں ہوگا اور نہ ہی یہ تخبہ حرام شمار ہوگا۔

مجوزین کا استدلال ثانی

بعض حضرات کہتے ہیں کہ فقہ کی معتبر کتابوں میں ڈاڑھی ایک مشت رکھنے کو مسنون لکھا ہے اس سے معلوم ہوا کہ ڈاڑھی ایک مشت رکھنا واجب نہیں بلکہ سنت ہے چنانچہ ہدایہ میں ہے کہ ”المسنون ھو القبضہ“ کہ ڈاڑھی میں قبضہ قدر مسنون ہے۔ بحرالرائق اور درمختار میں ہے ”والسنة قدر القبضة“ کہ ڈاڑھی میں قبضہ کی مقدار سنت ہے۔

جواب

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اس کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں

”وظاهر كلامهم ......حرمة حلق اللحية ونقصانها من القدر المسنون و مايقال انها سنة ......فمعناها طريقة مسلوكة فى الدين ......او ان وجوبها ثبت بالسنه“۔(المعات شرح مشکوٰۃ ج2 ص67)

یعنی آپ فرماتے ہیں کہ فقہاء اور محدثین کے کلام سے یہی ظاہر ہے کہ ڈاڑھی کا منڈانا یا قدر مسنون یعنی ایک مشت سے کم کرانا حرام ہے اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ بقدر قبضہ مسنون ہے اور سنت ہے اس سے سنت کے اصطلاحی معنیٰ مراد نہیں ہے بلکہ اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ دین میں رائج طریقہ اور راستہ یہی ہے یا اس وجہ سے اس کو مسنون کہا جاتا ہے کہ ایک مشت ڈاڑھی کا ثبوت سنت سے ہے اور اکثر ایسا ہوتا رہتا ہے کہ بعض چیزوں پر ان مندرجہ بالا معنوں کے لحاظ سے سنت کا لفظ بول دیا جاتا ہے چنانچہ شامی میں ہے۔”واطلاق اسم السنة على الواجب جائز ......لان السنة عبارة عن الطريقة المرضية والسيرة الحسنة...... و منه اطلاق كثير على القعود الاول انه سنة“۔

(شامی ج1 ص785)

اور اگر بالفرض یہ مان بھی لیا جائے کہ سنت سے اس کے اصطلاحی معنیٰ مراد ہیں تو اس صورت میں یہاں سنت مؤکدہ اور واجب کا تقریباً ایک ہی حکم ہوتا ہے۔”والسنة

المؤكدة فى قوة الواجب" (عینی شرح بخاری ج 11 ص 157)۔ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں صاحب واجب اور سنت مؤکدہ کی تعریفیں اور ان کے احکام بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں (1) ترک عادی ہو یا ترک نادر مطلقاً موجب استحقاق عذاب ہو یہ بحال قطعیت فرض ورنہ واجب (2) عادی پر عذاب اور نادر پر عتاب یہ سنت مؤکدہ ہے۔ اگر نادر پر بھی عذاب ہوتو اس میں اور واجب میں فرق نہ رہے گا اور عادی پر بھی عتاب ہوتو اس میں اور سنت، غیر مؤکدہ میں تفاوت نہ ہوگا حالانکہ وہ ان دونوں میں برزخ ہے۔ ردالمختار میں ہے" كونه سنة مؤكده لا يستلزم الاثم بتركه مرة واحدة بلا عذر فيتعين تقييد الترك بالاعتياد"۔ فتح القدیر میں ہے" حكى فى الخلاصه خلافافي تركه (اى ترك رفع اليدين عند التحريمة) قيل ياثم و قيل لا والمختار ان عتاده اثم لا ان كان احيانا انتهى"۔ درمختار میں ہے" الجماعة سنة مؤكدة للرجال و قيل واجبة وعليه العامة ثمرته تظهر فى الاثم بتركها مرة الخ"۔ (فتاوی رضویہ امام احمد رضا خان بریلوی ج 1 ص 173/177)

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی اس تحقیق سے ثابت ہوا کہ واجب اور سنت مؤکدہ میں صرف یہ فرق ہے کہ واجب کو ایک مرتبہ بھی چھوڑا جائے تو عذاب ہوگا جب کہ سنت موکدہ کو چھوڑنے کی عادت بنالی تو عذاب ہوگا لہٰذا ایک مشت ڈاڑھی رکھنے کو خواہ واجب کہیں یا سنت مؤکدہ کہیں جنہوں نے اس کے ترک کی عادت بنالی ہے وہ دونوں صورتوں میں عذاب خداوندی کے مستحق ہوں گے۔ لہٰذا سارا علمی زور اس بحث میں لگا دینا کہ یہ واجب نہیں سنت مؤکدہ ہے میری نظر میں اس کا کوئی خاص فائدہ نہیں۔ کیونکہ دونوں کا مآل اور انجام کار ایک ہی ہے اور وہ ہے اللہ کی ناراضگی اور اس کے عذاب کا مستحق ٹھہرنا۔

مجھے تعجب ہے اپنے معاصر محترم علامہ غلام رسول سعیدی زید مجدہ پر جنہوں نے شرح صحیح مسلم کے اندر اس بحث کے آغاز میں سارا علمی زور اس کے وجوب کے انکار اور اس کے سنت مؤکدہ پر صرف کیا حتیٰ کہ یہاں تک فرمادیا کہ اس حدیث میں نص صریح ہے کہ ڈاڑھی

بڑھانا سنت ہے جس طرح اس کے ساتھ باقی نو اور سنن ہیں۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کم از کم ایک مشت تک ڈاڑھی بڑھانا سنت مؤکدہ ہے انتہی کلامہ

پھر اس کے عدم وجوب پر دلائل دینے کے بعد (جس کا ابھی ہم جائزہ لیں گے) چند سطور کے بعد خود ہی فرماتے ہیں کہ "احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ ایک مشت ڈاڑھی کو بقول اکثر فقہاء کے وجوب پر محمول کرنا چاہیے"۔ حالانکہ جب اس کا سنت مؤکدہ ہونا بقول آپ کے نص صریح سے ثابت ہو گیا تو پھر نص صریح کے سامنے اقوال فقہاء کی کیا حیثیت؟ اور اگر اقوال فقہاء پر عمل کرتے ہوئے اس کے واجب ہونے کو آپ احوط بتا رہے ہیں تو یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ نص صریح سے اس کا سنت (اصطلاحی معنوں میں) ہونا ثابت نہیں کیونکہ فقہاء نص صریح کی کبھی مخالفت نہیں کرتے۔ اگر نص صریح سے اس کا سنت ہونا ثابت ہو جاتا تو اکثر فقہاء کبھی بھی اس کو واجب قرار نہ دیتے۔ فقہاء کا اس کو واجب قرار دینا اس بات کی دلیل ہے کہ نص صریح سے اس کا اصطلاحی معنوں میں سنت ہونا ثابت نہیں اور جس نے بھی "فطرۃ" کے لفظ سے سنت کے اصطلاحی معنی مراد لئے ہیں وہ درست نہیں بلکہ اس سے مراد دین کا راستہ اور انبیاء کا طریقہ مراد ہے۔

عدم وجوب کے دلائل

اس کے علاوہ علامہ غلام رسول سعیدی صاحب زید مجدہ نے ایک مشت ڈاڑھی رکھنے کے عدم وجوب پر چند دلائل تحریر فرمائے ہیں جن میں سے بعض دلائل کے تو خود ان کی اگلی عبارت میں جواب موجود ہیں مثلاً ایک دلیل وہ یہ ذکر فرماتے ہیں "اگر ڈاڑھی رکھنا واجب ہوتا تو ڈاڑھی کا کم کرنا بالکل جائز نہ ہوگا حالانکہ تمام علماء کا سلفاً خلفاً اجماع ہے کہ ایک مشت کے بعد ڈاڑھی کو کم کرنا جائز ہے۔

اس کے بعد عدم وجوب کی دوسری دلیل دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"علاوہ ازیں" "واعفوا اللحی" "ڈاڑھی بڑھاؤ" یہ حدیث عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور بخاری اور ابو داؤد میں ہے کہ حضرت عبد

اللہ بن عمر ایک مشت کے بعد داڑھی لیا کرتے تھے اور احناف کا مسلمہ قاعدہ ہے کہ جب راوی کا فعل اس کی روایت کے خلاف ہو تو وہ اس روایت کے منسوخ ہونے پر دلالت کرتا ہے اس سے ثابت ہوا کہ "واعفوا اللحی" میں داڑھی بڑھانے کا جو امر تھا وہ منسوخ ہو چکا ہے"۔

جوابات

ان کے پہلے استدلال کا جواب ان کی اگلی عبارت میں خود موجود ہے۔ وہ لکھتے ہیں

"مسلم شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مونچھیں کم کراؤ، داڑھی بڑھاؤ اور مجوس کی مخالفت کرو اور مجوس یا تو داڑھی بالکل ہی منڈاتے تھے یا قبضہ سے کم رکھتے تھے۔ اس لیے حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ کل یا اکثر داڑھی بڑھانے کا حکم نہیں بلکہ قبضہ تک داڑھی بڑھانے کا حکم ہے"۔

(شرح صحیح مسلم، علامہ غلام رسول سعیدی ج 1 ص 430)

لہٰذا پہلے استدلال کا جواب آ گیا کہ داڑھی رکھنا قبضہ تک واجب ہے اور قبضہ سے کم کرنا جائز نہیں لہٰذا اس کا وجوب ثابت ہو گیا۔

اسی عبارت سے دوسرے استدلال کا جواب بھی واضح ہو گیا کہ جب حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی احادیث میں "واعفوا اللحی" سے مطلقاً داڑھی بڑھانا مراد نہیں بلکہ ایک مشت تک داڑھی بڑھانا مراد ہے تو اب ایک مشت سے زیادہ کا شا ان کی اپنی قولی حدیث کے متعارض نہ ہوا۔ لہٰذا جب راوی کا فعل اپنی روایت کے خلاف ہونا لازم نہیں آیا تو ابن عمر اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم کی حدیث منسوخ بھی نہیں ہوئی۔

بہر حال خلاصہ کلام یہ ہے کہ داڑھی ایک مشت رکھنا واجب ہے لہٰذا جو بالکل منڈوائے یا ایک مشت سے کم رکھے وہ فاسق معلن ہے اور فاسق معلن کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے۔ اگر پڑھ لی تو واجب الاعادہ ہے یعنی اس کا لوٹانا واجب ہے۔ "کل صلوٰۃ اديت مع كراهة التحريم تجب اعادة" اسی طرح فاسق کی اذان اور تکبیر بھی مکروہ

ہے۔"کما فی العالمکیریة و یکرہ اذان الفاسق ولا یعادہ هکذا فی الذخیرة"۔

بہتر یہ ہے کہ اگر ایسے شخص نے اذان دے دی تو اس کی اذان لوٹائی جائے۔"هکذا فی الهندیة ولکن فی القهستانی واعلم ان اعادة اذان الجنب والمراة والمجنون والسکران والصبی والفاجر والماشی و المنحرف عن القبله واجبة لانه غیر معتدبه و قیل مستحبة فانه معتدبه الاانه ناقص وهوا لا صح کما فی التمرتاشی و قال فی البحر و ینبغی ان لا یصح اذان الفاسق بالنسبه الی قبول قوله والاعتماد علیه لما قد منا من انه لا یقبل قوله فی الامور الدینیة قال الشامی علی هامشه کذا فی النهر ایضا و ظاهرة انه یعادو ایضاهو قدس سره صرح فی رد المختار فیعاد اذان الکل ندبا علی الاصح کما قد منا عن القهستانی"۔

واللہ اعلم بالصواب

عاصی وخطا کار، مغفرت رب کا امیدوار

صاحبزادہ ابوالخیر محمد زبیر

مہتمم ومفتی رکن الاسلام جامعہ مجددیہ

آزاد میدان ہیرآباد، حیدرآباد

نحمده ونصلي على رسوله الكريم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نمازوں میں لاؤڈ اسپیکر کا استعمال بالکل جائز ہے بلکہ بہت سے محاسن اور فوائد کے حاصل ہونے کے باعث اس کا استعمال مستحسن ہے۔ اس پر قرآن وحدیث کے مندرجہ ذیل دلائل موجود ہیں۔

اول

ارشاد رب العزت ہے: هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيْعًا (البقرہ: 29) وہ وہ ذات ہے جس نے سب کا سب جو کچھ زمین میں ہے وہ تمہارے لیے پیدا کیا۔

علماء اور فقہاء فرماتے ہیں کہ اس آیت کریمہ سے ثابت ہوا کہ اصل ہر شے میں اباحت ہوتی ہے یعنی زمین کی ہر شے ہمارے لیے جائز اور حلال ہے سوائے اس کے جس کی شریعت میں ممانعت آگئی ہو۔ اگر کسی شے کی شریعت میں ممانعت وارد نہیں تو وہ اپنی اصل کے لحاظ سے جائز ہوگی اس کے لیے کسی حرام یا مکروہ تحریمی کی نص کا وارد نہ ہونا ہی اس کے جواز اور حلال ہونے کے لیے کافی ہے۔ چنانچہ شامی میں ہے: ان الاصل الاباحة عند الجمهور من الحنفيه والشافعيه۔ (شامی ص 98) اس دلیل کی رو سے کیونکہ نماز اور غیر نماز میں لاؤڈ اسپیکر کے استعمال کے حرام اور ناجائز ہونے پر کوئی شرعی دلیل وارد نہیں لہٰذا اپنی اصل کے لحاظ سے اس کا استعمال جائز اور مباح ہوگا۔

ثانی

ارشاد رب العزت ہے وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ﴿۴۳﴾ (البقرہ) کہ نماز باجماعت ادا کرو۔ جب کہ حدیث مبارک میں ہے انما جعل الامام ليؤتم به فاذا كبر فكبرو او اذا ركع فاركعو اذا قال سمع الله لمن حمده فقولوا ربنالك الحمد...... الى آخره۔ (صحیح مسلم)

حضور ﷺ نے فرمایا کہ امام اس لیے بنایا گیا ہے کہ اس کی پیروی کی جائے جب وہ تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو جب وہ رکوع کرے تو تم بھی رکوع کرو جب وہ سمع اللہ لمن حمدہ کہے تو تم ربنالک الحمد کہو۔

یہ آیت مبارکہ اور حدیث شریفہ مطلق ہے اس میں کسی قسم کی کوئی قید نہیں کہ جب بلاواسطہ سنو تو اس کی پیروی کرو لیکن جب بالواسطہ سنو تو پیروی نہ کرو بلکہ مطلق فرمایا ہے اور مطلق کا حکم یہ ہوتا ہے کہ اس کو اس کے اطلاق پر برقرار رکھا جائے اپنی طرف سے اس میں کوئی قید نہیں لگائی جاسکتی۔ لہٰذا قرآن وحدیث کے اس مطلق حکم کو اس کے اطلاق پر برقرار رکھا جائے گا۔ اس کے معنی یہ ہوں گے کہ خواہ کوئی بلاواسطہ امام کی آواز سنے یا بالواسطہ لاؤڈ سپیکر سے اس کی آواز سنے بہر حال اس پر امام کی مطابقت ضروری ہے اور جب بھی جس طرح سے بھی وہ امام کی آواز سن کر اس کی پیروی کرے گا وہ اس کی پیروی کر کے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم پر عمل بھی کررہا ہوگا اور اپنی نماز بھی صحت کے ساتھ اپنے رب اور اپنے نبی کے حکم کی تعمیل میں ادا کرنے والا شمار ہوگا۔

ثالث

قرآن پاک میں ارشاد رب العزت ہے وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ۝ (اعراف) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب قرآن پڑھا جائے تو اس کو غور سے سنو اور خاموش رہو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔

یہ آیت مبارکہ نماز کے بارے میں ہے اور اس کے مطابق جو مقتدی امام سے قریب ہیں ان کا تو اس آیت پر کامل عمل ہے کہ وہ قرآن کو سن بھی رہے ہیں اور خاموش بھی ہیں لیکن جو مقتدی امام سے دور ہیں جن تک امام کی آواز نہیں پہنچ رہی ہے وہ قرآن کے ایک حکم کے عامل تو ہیں کہ خاموشی اختیار کیے ہوئے ہیں لیکن فاستمعوا پر عمل کرنے سے قاصر ہیں۔ اگرچہ وہ حکماً "فاستمعوا" پر بھی عمل کررہے ہیں لیکن حقیقتاً وہ اس حکم پر عمل کرنے سے قاصر ہیں ہاں جب لاؤڈ سپیکر لگا دیا جائے تو اب دور و نزدیک نماز میں شریک تمام مقتدی

یکساں طور سے اس آیت مبارکہ کے کامل عامل شمار ہوں گے کہ قرآن کے دونوں حکم یعنی فاستمعوا (غور سے سنو) پر بھی ان کا عمل ہوگا اور وانصتوا (خاموش رہو) پر بھی ان کا عمل ہوگا۔ لہٰذا یہ لاؤڈ اسپیکر کا عظیم فائدہ ہے کہ دور والے مقتدی بھی قرآن کے اس حکم پر کامل عمل کر کے اس کا کمال قرب حاصل کریں گے۔

رابع

یہ بھی ایک مسئلہ ہے کہ نماز میں خشوع و خضوع واجب ہے۔ خشوع و خضوع کے بغیر نماز ناتمام اور نامکمل اور ناقص ہے جب کہ تلاوت قرآن سننے سے قلب میں خشوع و خضوع کی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ چنانچہ ارشاد رب العزت ہے: تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ۚ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَ قُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ (الزمر 23) (اس سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں ان کے بدن میں جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں پھر ان کی کھالیں اور دل نرم پڑ جاتے ہیں یاد خدا کی طرف رغبت میں)۔ جب کہ دور والے مقتدی امام کی تلاوت قرآن لاؤڈ اسپیکر کے ذریعے ہی سن کر اپنے اندر خشوع و خضوع پیدا کر سکیں گے۔ لہٰذا ثابت یہ ہوا کہ لاؤڈ اسپیکر دور والے مقتدی کو تلاوت قرآن کے سماع سے خشوع و خضوع کی دولت عطا کر کے ان کی نمازوں کو کامل بنانے کا موجب ہے۔

خامس

اکثر دیکھنے میں یہ آیا ہے کہ عیدین وغیرہ کے موقع پر جہاں لاؤڈ اسپیکر نہیں لگائے جاتے اور مکبروں کے ذریعے تکبیریں کہی جاتی ہیں وہاں پچھلے مقتدیوں کو تکبیروں کا پتہ نہیں چلتا۔ بہت سوں کی نمازیں خراب ہو جاتی ہیں اور بہت سی جگہ ہنگاموں اور فساد کی نوبت تک آ گئی۔ اس صورتحال کو بھی مدنظر رکھا جائے تو لاؤڈ اسپیکر طمانیت اور سکون و راحت کے ساتھ تمام نمازیوں کی تکمیل نماز کا سبب بھی بنتا ہے اور فتنہ فساد سے بھی لوگوں کو بچاتا ہے جس کے لیے ارشاد رب العزت ہے۔ اَلْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ (البقرہ 191)۔ کہ فتنہ اور فساد قتل سے بھی بدتر ہے۔

مانعین کے دلائل

جو حضرات لاؤڈ اسپیکر کے استعمال کو نماز میں ناجائز بتلاتے ہیں ان کے دلائل ذکر کیے جاتے ہیں اور اس کے ساتھ ان کے جوابات بھی پیش کیے جاتے ہیں۔

دلیل اول

فقہ کا ایک مشہور مسئلہ ہے کہ اگر کوئی شخص نماز سے باہر ہو تو کسی امام کو لقمہ دے اور امام اس کے لقمہ کو قبول کر لے تو امام کی نماز فاسد ہو جائے گی کیونکہ اس میں ''تلقن من الغیر'' نماز کے اندر غیر نمازی سے کسی چیز کا حاصل کرنا ہے جس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے اسی طرح یہاں بھی وہ لاؤڈ اسپیکر غیر نمازی ہے اور اس سے جو آواز آرہی ہے وہ بھی اس امام کی اصل آواز نہیں ہے بلکہ لاؤڈ اسپیکر کی آواز ہے لہٰذا نماز کی حالت میں غیر نمازی سے تلقن پایا گیا اور من لم یدخل الصلوۃ کی اقتداء بنی جس سے نماز فاسد ہو جائے گی۔

اسی طرح فقہ کا اسی قسم کا ایک اور مسئلہ بھی ہے کہ اگر کسی غیر نمازی نے تکبیریں کہیں اور اس کی تکبیروں پر جن جن لوگوں نے نماز پڑھی ان کی نماز فاسد ہو گئی کیونکہ یہاں بھی تلقن من الخارج پایا گیا۔ اسی طرح لاؤڈ اسپیکر میں بھی ''تلقن من الخارج'' پایا جاتا ہے لہٰذا یہاں بھی نماز فاسد ہو جائے گی۔

جواب اول

اس دلیل کے کئی جوابات ہیں پہلا جواب تو یہ ہے کہ آج سائنس کی جدید تحقیق کے مطابق لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ جو آواز دور تک پہنچتی ہے وہ بولنے والے کی اصل آواز ہوتی ہے حتیٰ کہ فاضل بریلوی حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے کہ یہ امام کی اصل آواز ہی ہے۔ چنانچہ آپ تحریر فرماتے ہیں۔

''وحدت آواز وحدت نوعی ہے کہ تمام امثال متجددہ ہیں وہی ایک آواز مانی جاتی ہے ورنہ آواز کا شخص اول کہ مثلاً ہوائے دھن تکلم میں پیدا ہوا کبھی مسموع نہیں ہوتا اس کی کا پیاں ہی چھپتی ہوئی ہمارے کان تک پہنچتی ہیں اس کو آواز کا سننا ہی کہا جاتا ہے۔ گنبد کے اندر یا

پہاڑ یا چکنی گچ گردہ دیوار کے پاس اور کبھی صحراء میں بھی خود اپنی آواز پلٹ کر دوبارہ سنائی دیتی ہے جسے عربی میں صدا کہتے ہیں۔ اتنا یقینی ہے کہ آواز وہی آواز تکلم ہے۔

(الکشف شافیا فی حکم فونو جرافیا۔ امام احمد رضا خاں ص 6 تا 25)

فاضل بریلوی کی اس نفیس تحقیق کی رو سے انسان جب کلام کرتا ہے تو اس کے منہ میں ایک خاص قسم کی شکل اور ایک کیفیت مخصوصہ پیدا ہوتی ہے جسے آواز کہتے ہیں اب اس آواز کی کاپیاں ہوتی چلی جاتی ہیں اور ہوا کی موجوں میں تیرتی ہوئی سینکڑوں لوگوں کے کانوں تک پہنچ جاتی ہیں اب کوئی یہ نہیں کہتا کہ ہزاروں آوازیں تھیں بلکہ ہر کوئی یہی کہتا ہے کہ ایک آواز تھی جس کو سب لوگوں نے سنا کیونکہ وہ اسی ایک آواز کی امثال اور اس کے مشابہہ شکلیں ہوتی ہیں جو ہزاروں کے کانوں تک پہنچتی ہیں اور وہ تمام شکلیں اور کاپیاں ایک ہی آواز کہلاتی ہیں حتیٰ کہ صدائے بازگشت بھی اس کی اصل آواز ہے جو ٹیپ ریکارڈ اور فونوگرام میں ٹیپ ہے وہ بھی اصل آواز ہے۔ جب فاضل بریلوی کی تحقیق کے مطابق ٹیپ ریکارڈ اور فونوگرام میں جو آواز مرتب ہے وہ اصلی ہے تو لاؤڈ اسپیکر کی آواز تو یہ بدرجہ اولیٰ اصلی ہوگی اور جب یہ اصل آواز ٹھہری تو اب یہ تمام اعتراضات ختم ہو گئے کہ خارج نماز سے یا غیر نمازی سے تلقن ہے بلکہ یہ تو خود اس انسان کی آواز ہے جو نماز میں داخل ہے۔ للہٰذا یہ خارج نماز سے تلقن نہ بنا اور نہ "من لم یدخل فی الصلوٰۃ" کی اقتداء بنی اور اس جزئیہ پر اس کو قیاس کرنا غلط ہے۔

جواب ثانی

اسی دلیل کا دوسرا جواب یہ ہے کہ مانعین نے اپنی دلیل میں خارج نماز مکبر کی تکبیر سے فساد نماز کا جو فقہی مسئلہ بیان کیا ہے تو یہ مسئلہ نہ امام اعظم سے منقول ہے نہ صاحبین سے منقول ہے حتیٰ کہ بعد والے فقہاء کا اس بات پر اتفاق بھی نہیں۔ حضرت علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ اس موضوع پر ایک مستقل رسالہ تحریر فرماتے ہیں جس میں آپ لکھتے ہیں کہ یہ مسئلہ سوائے ایک فقیہ علامہ حموی کے اور کسی سے منقول نہیں اور اس کا رد کرتے ہوئے فرماتے

ہیں کہ یہ مسئلہ ہاتھ کے اشارہ کے مسئلہ کے ساتھ زیادہ مشابہ ہے یعنی کسی نمازی کو کسی خارج نماز شخص نے سلام کیا اس نے نماز میں ہی سر کے اشارہ سے جواب دیا تو اس کی نماز فاسد نہیں ہو رہی۔ اسی طرح یہ مسئلہ مکبر والا بھی اسی مسئلہ کے زیادہ مشابہ ہے یہاں بھی نماز فاسد نہیں ہونی چاہیے۔

ثابت یہ ہوا کہ مسئلہ مختلف فیہ ہے صرف ایک فقیہ کا قول ہے اور ان کے قول سے بھی بہت سے پچھے فقہاء حتیٰ کہ علامہ شامی جیسے بھی متفق نظر نہیں آتے لہٰذا ایسے ضعیف قول کو کیسے مستدل بہ ٹھہرایا جاسکتا ہے۔

جواب ثالث

اسی پہلی دلیل کا تیسرا جواب یہ ہے کہ اگر بالفرض اس فقہی جزئیہ اور مسئلہ کو مفتیٰ بہ مان بھی لیا جائے تو پھر ہم یہ کہیں گے کہ مطلقاً تلقن من الخارج اور اتباع خارج مفسد نماز نہیں جب تک کہ اس میں غیر اللہ کا اتباع مقصود نہ ہو۔ فقہ میں اس کی کئی مثالیں موجود ہیں کہ تلقن من الخارج وہاں پایا جارہا ہے مگر نماز فاسد نہیں ہوتی۔ مثلاً

1۔ یہ ایک مسئلہ ہے کہ کسی شخص نے جو نماز سے باہر ہے کسی ایسے شخص کو جو نماز کے اندر ہے روپیہ دکھلا کر پوچھا کہ یہ کھرا ہے یا کھوٹا۔ اس نے نماز ہی کے اندر سر ہلا کر نفی یا اثبات میں جواب دے دیا تو فقہاء فرماتے ہیں کہ اس کی نماز فاسد نہیں ہوگی۔ (کبیر شرح منیہ)

2۔ ایک شخص آیا اس نے ایک نماز پڑھتے ہوئے شخص کو کہا آگے ہو جاؤ اور امامت کرو تا کہ میں تمہارے پیچھے نماز پڑھ لوں اور جماعت ہو جائے وہ نمازی شخص اس نماز سے باہر شخص کے کہنے پر آگے بڑھ گیا اور امامت کرنے لگا تو نماز درست ہو جائے گی۔

(درمختار شامی)

3۔ ایک شخص مسجد میں آیا پہلی صف بھر چکی تھی وہ دوسری صف میں اکیلا تھا اس نے نماز شروع کرنے سے پہلے اگلی صف سے ایک نمازی کو کھینچ کر اپنے ساتھ صف میں ملا لیا اور وہ نمازی اس باہر والے شخص کے کہنے پر پچھلی صف میں آگیا تو اس کی نماز فاسد نہیں ہوگی۔ لو

جذبه آخر فتاخر الاصح لاتفسد صلوته۔

(شامی/بحرالرائق، باب الامامۃ ج1 ص374/طحطاوی ج1 ص272)

ان جزئیات سے ثابت ہوا کہ ہر خارج من الصلوٰۃ کا اتباع اور ہر تلقن من الغیر مفسد نماز نہیں جب تک کہ امر غیر اللہ کا اتباع مقصود نہ ہو۔ جس طرح ان مثالوں میں یہاں اتباع اس خارج میں آدمی کا نہیں بلکہ درحقیقت حضور ﷺ کے حکم اور شارع علیہ السلام کا اتباع تھا اس لیے نماز فاسد نہیں ہوئی۔ لان امتثاله انما هو لامر رسول الله صلى الله عليه وسلم فلا یضر۔ (طحطاوی علی الدر ج1 ص247/شامی)۔ ظاہر ہے کہ لاؤڈ اسپیکر میں بھی اگر بالفرض اس آواز کو لاؤڈ اسپیکر کی آواز بھی تسلیم کر لیا جائے تب بھی یہ خارج من الصلوٰۃ کا اتباع نہیں بلکہ درحقیقت اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا اتباع ہے۔ لاؤڈ اسپیکر کی آواز پر نماز پڑھنے والے یہ تصور بھی نہیں کر سکتے کہ ہم لاؤڈ اسپیکر کا اتباع کر رہے ہیں بلکہ ہر ایک کے ذہن میں یہ بات ہوتی ہے کہ وہ امام کی تکبیروں پر اللہ اور اس کے رسول اللہ ﷺ کا اتباع کر رہا ہے اور یہ امام کی آواز ہے لاؤڈ اسپیکر کی آواز نہیں۔

دلیل ثانی

مخالفین کی ایک دلیل یہ ہے کہ فقہ کا جزئیہ ہے کہ نماز میں کوئی شخص قرآن کو دیکھ کر تلاوت کرے تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی کیونکہ اس نے خارج سے استفادہ کیا اور تلقن کیا اسی طرح یہاں بھی لاؤڈ اسپیکر میں چونکہ خارج سے استفادہ اتباع اور تلقن ہے لہٰذا یہ بھی مفسد نماز ہے۔

جواب

اس کا جواب بھی یہی ہے کہ مطلقاً خارج سے تلقن اور استفادہ اور اتباع نماز کو فاسد نہیں کرتا بلکہ وہ تلقن اور اتباع نماز کو فاسد کرتا ہے جس میں نمازی خارج نماز سے کوئی خبر سن کر یا حاصل کر کے اس کو بول دے اور وہ خبر اسے خارج نماز کے بتانے پر یاد آئے خود بخود یاد نہ آئے۔ ایسا تلقن اور استفادہ نماز کو فاسد کر دے گا۔ چنانچہ فتح القدیر میں ہے

”المفسد التلقن المقترن بقول ماتلقنه“۔(فتح القدیر ج1 ص351) بحر الرائق میں ہے”ان الفساد انما یتعلق فی مثله بالقراة“(بحر الرائق ج2 ص14) عنایہ میں ہے”کالتلقن من غیرہ فی التحصیل مالیس بحاصل عندہ“(عنایہ ج ص351) شامی میں ہے”وان حصل تذکرہ من نفسہ لا بسبب الفتح لاتفسد مطلقا“۔(شامی ج1 ص582)

دیکھیے اگر کوئی حافظ قرآن کو دیکھ کر پڑھے تو اس کی نماز فاسد نہیں ہوگی یا کوئی نمازی قرآن میں کچھ دیکھ لے لیکن اس کو زبان سے نہ پڑھے تب بھی نماز فاسد نہیں ہوگی۔ اسی طرح یہ بھی مسئلہ ہے کہ اگر کوئی آدمی تحری کر کے نماز پڑھ رہا ہے عین نماز کی حالت میں کوئی اس کو بتادے کہ قبلہ دوسری طرف ہے اور وہ اسی طرف پھر گیا تو اس کی نماز فاسد نہیں ہوگی۔ اسی طرح نابینا نماز پڑھ رہا تھا کسی نے اس کو قبلہ سے ہٹا ہوا دیکھا تو اس کو قبلہ کی طرف موڑ دیا تو اس کی نماز فاسد نہیں ہوگی اسی طرح جب امام مسافر نماز ختم کر لے تو اسے چاہیے کہ وہ اپنے مقتدیوں سے کہے کہ اپنی نمازیں پوری کر لو اب اس کے کہنے پر تمام نمازی اپنی نمازیں پوری کریں گے تو ان کی نمازیں فاسد نہیں ہوں گی۔

حالانکہ ان تمام فقہی جزئیات میں خارج صلوٰۃ سے تلقن بھی ہے اور استفادہ بھی ہے، اتباع بھی ہے لیکن ان سے نماز اس لیے فاسد نہیں ہو رہی کہ یہاں اس تلقن پر تکلم مرتب نہیں ہے اور یہ تعلیم و تعلم نہیں بن رہا جب کہ تلقن وہ نماز کو فاسد کرتا ہے جس میں خارج نماز سے سیکھ کر پھر اس کا تکلم کرے اس کو پڑھے اس طرح کیونکہ یہ تعلیم و تعلم بن جاتا ہے تو یہ نماز کو فاسد کر دیتا ہے جب کہ مندرجہ بالا فقہی جزئیات میں کیونکہ تلقن کے بعد تکلم نہیں تو یہ تعلیم و تعلم نہیں بنا اس لیے یہ مفسد نماز نہیں۔ اسی طرح لاؤڈ اسپیکر میں بھی اگر خارج سے بالفرض تلقن استفادہ اور اتباع ہو تو یہ مفسد نماز نہیں کیونکہ یہاں بھی تلقن کے بعد تکلم نہیں اور تعلیم و تعلم نہیں جب کہ تلقن مطلقاً مفسد نماز نہیں بلکہ وہ تلقن مفسد نماز ہے جس پر تکلم مرتب ہو۔

اس پر دلیل یہ حدیث مبارک بھی ہے کہ صحابہ کرام مسجد قبا میں نماز پڑھ رہے تھے ایک صحابی نے باہر سے آکر بتایا کہ کعبہ شریف قبلہ بن گیا ہے۔ سن کر سب نمازی نماز کے اندر ہی قبلہ کی طرف پھر گئے۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

حالانکہ یہاں نماز میں نمازیوں نے غیر نمازی سے تلقن بھی کیا اور اس کا اتباع بھی کیا لیکن چونکہ اس اتباع اور تلقن پر تکلم مرتب نہیں تھا اس لیے یہ مفسد نماز نہ بنا۔

دلیل ثالث

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيلًا ﴿۱۱۰﴾ (بنی اسرائیل) اور آپ اپنی نماز میں نہ بہت زیادہ بلند آواز سے (قرآن) پڑھیے اور نہ بالکل آہستہ اور ان دونوں کے درمیان (معتدل) طریقہ اختیار فرمالیجیے۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ نماز میں بہت زیادہ بلند آواز سے تلاوت منع ہے جب کہ لاؤڈ اسپیکر میں آواز بہت زیادہ ہو جاتی ہے لہٰذا چونکہ لاؤڈ اسپیکر لگانے میں اس آیت کی مخالفت ہوتی ہے لہٰذا یہ ناجائز ہوا۔

جواب

مخالفین کی اس دلیل کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں مطلقاً بلند آواز سے پڑھنے کی ممانعت نہیں ورنہ آنحضرت ﷺ اتنی بلند آواز سے کبھی تلاوت نہ فرماتے کہ پوری وادی میں آپ کی آواز پہنچتی۔ جب کہ حدیث میں آتا ہے کہ آپ نے مکہ مکرمہ میں نماز پڑھائی اور اتنی بلند آواز سے آپ نے تلاوت فرمائی کہ اگر اس وادی میں کوئی ہوتا تو ضرور سن لیتا۔ (شرح معانی الآثار ج 1 ص 107) اسی طرح ایک اور حدیث میں آتا ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے لیے کھانا رکھ دیا جاتا تھا ادھر مسجد میں نماز کھڑی ہو جاتی تھی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اس وقت امام کی قرأت کو (یعنی گھر میں کھانا کھاتے وقت) سن رہے ہوتے تھے اور جب کھانے سے فارغ ہو جاتے تب مسجد میں تشریف لاکر جماعت میں شریک ہوتے تھے۔ (صحیح بخاری ج 1 ص 92)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ آیت مبارکہ میں مطلقاً جہر مفرط یعنی مطلقاً زیادہ بلند آواز سے قرأت کرنے کی ممانعت نہیں بلکہ اس بلند آواز کی ممانعت ہے جس میں اتنا چیخ کر پڑھا جائے کہ قرآن کے الفاظ ہی بدل جائیں اور معنی میں فرق آجائے یا ایسا چیخ کر پڑھنا مراد ہے جس میں راگ اور سر بن جائیں اور اس سے لوگوں کو خوش کرنا اور اپنے فن کا اظہار کرنا مقصود ہو لیکن اگر ان دونوں میں سے کوئی بات نہیں تو پھر محض بلند آواز سے تلاوت کرنا کوئی منع نہیں۔ چنانچہ علامہ شامی نے واضح طور پر اس کی تصریح کرتے ہوئے فرمادیا۔

فحاصل کلامه المحقق ان الاشتغال بتحرير النغم والتلحين والصياح الزائد على قدر الحاجةلا لقصد القربة بل ليعجب الناس من حسن صوته ونغمه مفسد من وجهين الاول ما يلزم من التلحين من حصول الحرف المفسد غالبا والثانی عدم قصد اقامة العبادة...... ان المحقق لم يجعل مبنى الفساد مجرد الرفع بل زيادة الرفع الملحق بالصياح المشتمل على النغم مع قصد اظهاره لذالک والاعراض عن اقامة العبادة۔

(رسائل شامی ج1 ص146 /منحۃ الخالق ج1 ص364 /ردالمختار ج1 ص551)

دوسری بات یہ کہ لاؤڈ اسپیکر کی آواز کم زیادہ، درمیانہ کرنا یہ ہمارے ہاتھ میں ہے لہٰذا اس آیت سے اس کے عدم جواز پر استدلال نہیں کیا جاسکتا۔

دلیل رابع

مکبروں کا کھڑا کرنا سنت ہے اور لاؤڈ اسپیکر کے استعمال کی صورت میں اس سنت کا ترک لازم آئے گا۔

جواب

کسی حدیث سے اس کا مسنون ہونا ثابت نہیں اس لیے فقہاء نے اس کو زیادہ سے زیادہ مستحب لکھا ہے اور وہ بھی اس صورت میں کہ جب امام کی آواز نہ پہنچ رہی ہو لیکن اگر

امام کی آواز پہنچ رہی ہے تو مکبروں کا کھڑا کرنا مستحب نہیں بلکہ مکروہ ہے تو چونکہ لاؤڈ اسپیکر کی صورت میں خود امام کی آواز پہنچ رہی ہوتی ہے لہٰذا مکبروں کا کھڑا کرنا اس وقت مستحب بھی نہ ہوگا بلکہ مکروہ ہو جائے گا۔

و اما عند الاحتیاج الیه بان کانت الجماعة لا یصل الیهم صوت الامام اما لضعفه اولکثرتهم فمستحب۔ (شامی ج 1 ص 444 / طحطاوی علی المراقی ص152) اتفق الائمة الا ربعة علی ان التبلیغ فی هذه الحالة بدعة منکرة ای مکروهة۔ ایضاً

بہر حال ثابت ہو گیا کہ لاؤڈ اسپیکر کا استعمال نمازوں میں بالکل جائز اور درست بلکہ مستحسن ہے۔

و الله اعلم بالصواب

فوٹو اور ویڈیو کا شرعی حکم

تصویر اور فوٹو کے بارے میں چونکہ احادیث مبارکہ مختلف آئی ہیں اس لئے اس کے جواز اور عدم جواز کے بارے میں علمائے کرام اور فقہائے عظام کے مختلف اقوال آئے ہیں۔ چنانچہ امام ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد الساری میں فرماتے کہ۔

حاصل مافی اتخاذ الصور انها ان كانت ذات اجسام حرم بالا جماع و ان كانت رقما فاربعة اقوال الجواز مطلقا لظاهر حديث الباب و المنع مطلقا و التفصيل فان كانت الصورة باقية الهئية قائمة الشكل حرم و ان قطعت الراس وتفرقت الاجزاء جاز قال و هوالاصح والرابع ان كانت مما يمتهن جاز وان كانت معلقة فلا الخ۔

یعنی تصویر بنانے کے بارے میں خلاصہ اور حاصل کلام یہ ہے کہ اگر وہ صورت جسم والی ہے (یعنی مجسمہ وغیرہ ہے) تب تو وہ سب کے نزدیک بالاجماع ناجائز اور حرام ہے۔ لیکن اگر نقش والی ہے۔ (جیسے آج کل عام فوٹو ہوتے ہیں) تو اس میں علماء کے چار اقوال ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ ایسی تصویر مطلقاً جائز ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ مطلقاً ناجائز ہے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ اگر شکل اور صورت اپنی اصل ہیت پر باقی ہے تب تو ناجائز ہے لیکن اگر یہ علیحدہ ہے اور دیگر اجزاء علیحدہ ہیں تو ایسی تصویر جائز ہے۔ چوتھا قول یہ ہے کہ اگر تصویر لائق تحقیر ہے تو جائز ہے اور اگر لٹکا کر اس کی تعظیم کی جارہی ہے تو ناجائز ہے۔

دلیل نظریہ اولیٰ

جن علماء کا یہ نظریہ ہے کہ تصویر مطلقاً جائز ہے خواہ وہ آدھے جسم کی ہو یا پورے جسم کی، دیوار پر لٹکی ہوئی ہو یا کسی کپڑے، کاغذ، بستر، اور تکیہ پر چھپی ہوئی ہو ہر قسم کی تصویر جائز ہے۔ ان کی دلیل یہ حدیث مبارک ہے۔

عن زید بن خالد عن ابی طلحه صاحب رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم انه قال ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال ان ملائکة لاتد خل بیتا فیه صورة قال بسرثم اشتکی زید فعد ناه فاذا علی بابه ستر فیه صورة قال قلت لعبید الله الخولانی ربیب میمونة زوج النبی صلی الله علیه وسلم الم یخبر نا زید عن الصور یوم الا ول فقال عبید الله الم تسمعه حین قال الا رقما فی ثوب۔ (صحیح بخاری ج1 ص458ج2 ص881 مطبوعہ نور محمد اصح المطابع)

''زید بن خالد حضور ﷺ کے صحابی حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بیشک جس گھر میں تصویر ہو وہاں فرشتے داخل نہیں ہوتے۔ بسر کہتے ہیں کہ زید بیمار ہو گئے۔ ہم ان کی عیادت کے لئے گئے تو ان کے گھر کے دروازے پر ایک پردہ ہم نے دیکھا جس میں تصویر تھی۔ وہ کہتے ہیں میں نے عبیداللہ خولانی رضی اللہ عنہ جو ام المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے بیٹے تھے ان سے پوچھا کہ پہلے زید ہم کو تصویروں سے منع نہیں کرتے تھے؟ اس پر عبیداللہ نے کہا کہ کیا تم نے نہیں سنا کہ دو کپڑوں پر منقش تصویروں کا استثناء کرتے تھے۔ اس حدیث کو امام ترمذی نے اپنی جامع ترمذی میں بیان فرمایا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے اور صحیح ہے اس حدیث کے تحت علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو لوگ مطلقاً تصاویر کے جواز کے قائل ہیں وہ اسی حدیث سے استدلال کرتے ہیں۔ (صحیح مسلم، ج2 ص220 مطبوعہ نور محمد)

اور علامہ ابن حجر اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں کہ اسی لئے حنبلیوں کے مذہب میں کپڑوں پر منقش تصاویر مطلقاً جائز ہیں البتہ اگر ان تصاویر سے دیوار کو چھپا دیا جائے تو وہ منع ہے۔ (اور حدیث میں اسی کی ممانعت آئی ہے) جبکہ حدیث عائشہ جس میں تصویر والے پردوں کی ممانعت آئی ہے اس کا جواب دیتے ہوئے علامہ ابن حجر فرماتے ہیں کہ حدیث عائشہ کو کراہت پر محمول کیا جائے گا جبکہ حدیث ابی طلحہ کو مطلقاً جواز پر محمول کیا جائے گا جبکہ جواز کراہت کے منافی نہیں ہوتا ہے۔ (فتح الباری، شرح بخاری، ابن حجر عسقلانی ج

10 ص 352 لاہور)

دلیل نظریہ ثانیہ

جو علماء اس چیز کے قائل ہیں کہ مطلقاً تصویر حرام اور ناجائز ہے ان کی دلیل یہ احادیث ہیں۔

1۔ ان اشد الناس عذابا یوم القیامۃ المصورون۔ (صحیح بخاری)

"حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ بیشک قیامت کے دن تصویر بنانے والوں پر سخت عذاب ہے"۔

2۔ ان الذین یصنعون ھذہ الصور یعذبون یوم القیامۃ یقال لھم احیوا ما خلقتم (صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن نسائی)

"حضور نے فرمایا بیشک جو تصویر بناتے ہیں وہ قیامت کے روز عذاب دیے جائیں گے۔ ان سے کہا جائے گا کہ یہ صورتیں جو تم نے بنائی تھیں ان میں جان ڈالو۔

3۔ لا تدخل الملائکۃ بیتا فیہ کلب و صورۃ

(صحیح بخاری، صحیح مسلم، جامع الترمذی، سنن ابن ماجہ)

"حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جس گھر میں کتا ہو اور تصویر ہو وہاں فرشتے داخل نہیں ہوتے۔ ان احادیث کی بنا پر بعض علماء استدلال کرتے ہیں کہ تصاویر مطلقاً ناجائز ہیں۔

دلیل نظریہ ثالثہ

تیسرا نظریہ رکھنے والے علماء کی دلیل یہ حدیث مبارکہ ہے۔

"قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتانی جبرئیل فقال اتیتک البارحۃ فلم یمنعنی ان اکون دخلت الا انہ کان علی الباب تماثیل و کان فی البیت قرام ستر فیہ تماثیل وکان فی البیت کلب فمر براس التمثال الذی فی البیت یقطع فیصیر کھیئۃ الشجرۃ و مر با لستر فلیقطع فتجعل

منه وسادتان منبو ذتان توُ طآن و أمر بالكلب فليخرج ففعل النبی صلی الله عليه وسلم"۔(سنن ابوداؤد، سنن ترمذی، سنن نسائی، ابن حبان)

"آنحضرت ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ میرے پاس جبرائیل (علیہ السلام) آئے اور انہوں نے کہا کہ میں گزشتہ شب آپ کے پاس آیا تھا مجھے کوئی چیز آپ کے پاس آنے سے مانع نہیں تھی مگر یہ کہ دروازہ پر مورتیاں اور مجسمے تھے اور گھر میں سرخ اون کا تصویروں والا پردہ پڑا ہوا تھا اور گھر میں ایک کتا بھی تھا، پس آپ مورتوں کیلئے حکم دیجئے کہ ان کے سر کاٹ دیئے جائیں کہ وہ درختوں کی طرح ہو جائیں اور تصویر دار پردہ کے لئے حکم فرمائیں کہ کاٹ کر دو مسندیں بنالی جائیں جو زمین پر ڈال کے پاؤں سے روندی جائیں۔"

علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں ان علماء کے قول کی تائید ہوتی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ وہ تصویریں منع ہیں جو اپنی ہیت پر باقی ہوں اور بطور تعظیم انکو کسی بلند جگہ پر لگایا جائے لیکن حقیر اور ذلیل سمجھ کر اور مقطوع الاعضاء کے طور پر ان کو رکھنا اور بنانا منع نہیں ہے۔

دلیل نظریہ رابعہ

چوتھا نظریہ کے رکھنے والے علماء اور فقہاء کی دلیل ایک تو اوپر والی حدیث تھی جبکہ ان کی دلیل ایک یہ حدیث بھی ہے۔

(ا) عن عائشة رضی الله تعالٰی عنها انها قالت قدم رسول الله صلی الله عليه وسلم من سفر وقد سترت بقرام لی علی سحوة لی فيها تماثيل فلما راه رسول الله صلی الله عليه وسلم حتكه وقال اشد الناس عذابا يوم القيامة الذين يضاهون بخلق الله قالت فجعلناه وسادة او وسادتين وفی رواية فاتخذت منه نمر فتين فكانتا فی البيت نجلس عليها۔ (صحیح بخاری)

"حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک سفر سے تشریف لائے تو میں نے کھڑکی پر ایک تصویر والا منقش پردہ ڈال دیا۔ پس جب رسول اللہ ﷺ نے اس کو دیکھا

تو آپ نے اسکو پھاڑ دیا اور فرمایا کہ قیامت کے روز ان لوگوں پر سخت عذاب ہوگا جو اللہ کی خلق سے مشابہت پیدا کرتے ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ پھر ہم نے اس پردہ کے ایک یا دو تکیے بنائے اور ایک روایت میں آتا ہے کہ میں نے اس کے دو گدے بنالئے جس پر گھر میں بیٹھا جاتا تھا''۔

اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے علماء فرماتے ہیں کہ اس تصویر والے کپڑے اور پردے سے حضرت عائشہ نے تکئے اور گدے بنالئے۔ معلوم ہوا کہ بطور اہانت تصویروں کا رکھنا اور بنانا منع نہیں۔

تطبیق

ان تمام مختلف احادیث کے درمیان فقہ حنفی کے ایک بہت بڑے امام علامہ بدر الدین عینی رحمۃ اللہ علیہ نے خوب تطبیق دی۔ وہ فرماتے ہیں کہ جن احادیث میں تصویروں سے ممانعت آئی ہے اور سخت ترین وعیدوں اور شدید عذاب کا ذکر ہے اس سے ابتداء اسلام کا زمانہ مراد ہے جب لوگ بتوں کی اور مجسموں وغیرہ کی عبادت کے عادی تھے اور نئی نئی اسلام میں بت پرستی کی ممانعت آئی تھی۔ اس لئے تصویروں کو بھی حرام قرار دیکر اس سے بھی سختی کیساتھ روک دیا گیا تاکہ دل پھر کہیں ان کو دیکھ کر بت پرستی کی طرف مائل نہ ہو جائیں لیکن جب توحید مسلمانوں کے قلوب میں راسخ ہوگئی اور بت پرستی کا وہم وگمان تک نہ رہا تو شارع علیہ السلام نے منقش تصویروں کی اجازت دے دی جیسا کہ مذکورہ بالا احادیث سے پتہ چلتا ہے۔ لہٰذا ہر حدیث اپنے مقام پر درست ہے اور ان کے درمیان کوئی تعارض نہیں۔ ممانعت والی احادیث کو ابتداء اسلام کے زمانے پر محمول کریں گے اور جواز والی احادیث کو بعد والے زمانے پر محمول کریں گے۔ (عمدۃ القاری، بدر الدین عینی، ج 21 ص 74)

تائید

اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ شروع زمانہ میں قبر پرستی کے خوف سے حضور ﷺ نے زیارت قبور کی ممانعت فرمادی تھی لیکن جب مسلمانوں کے قلوب میں توحید راسخ

ہوگئی تو پھر حضور ﷺ نے قبروں کی زیارت کرنے کی اجازت دیتے ہوئے حکم ارشاد فرمایا "نهيتكم عن زيارة القبور الا فزوروها۔" اسی طرح شروع میں شراب کی حرمت کے ساتھ ساتھ اسکے برتنوں کے استعمال کو بھی ممنوع قرار دیدیا گیا۔ لیکن جب مسلمان بالکل شراب سے ہٹ گئے تو پھر بعد میں مسلمانوں کو شراب کے برتنوں کو استعمال کرنے کی اجازت دے دی گئی۔ ان نظائر سے معلوم ہوا کہ دین اسلام میں ایسا ہوتا رہا ہے کہ بعض چیزیں کسی مصلحت کے تحت شروع میں حرام قرار دے دی گئیں لیکن پھر بعد میں ان کی اجازت دے دی گئی۔ یہی صورت تصویر کے اندر بھی ہے کہ پہلے اس کو سرکار ﷺ نے حرام قرار دے دیا پھر آہستہ آہستہ اسکی اجازت دیدی گئی۔ لہٰذا اس دور میں جب کہ مسلمانوں میں دور دور تک بت پرستی کا تصور اور وہم و گمان بھی کہیں نہیں پایا جاتا۔ ایسے ماحول میں تصویر یقیناً شرعی لحاظ سے جائز ہوگی۔

اسی مضمون کی تائید علامہ ابن حجر کے ارشاد سے بھی ہوتی ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔

وحمل بعضهم الوعيد من كان في ذالك الزمان لتقرب العهد بعبادة الاوثان واما الآن فلا۔ (فتح الباری، ابن حجر عسقلانی، ج1 ص525)

اور بعض نے اس وعید کو زمانہ نبوت کے لوگوں پر محمول کیا ہے کیونکہ وہ لوگ زیادہ زمانہ بت پرستی کے قریب تھے اور اب تصویر کی حرمت کا حکم نہیں ہے۔

آثار صحابہ وتابعین

آنحضرت ﷺ کی حدیث مبارک کے علاوہ صحابہ کرام اور تابعین کرام کے آثار سے بھی فوٹو کا مطلقاً جواز ثابت ہوتا ہے۔ مثلاً ایک روایت میں آتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پوتے حضرت قاسم بن محمد رضی اللہ عنہما کے گھر میں عجائب مخلوق کی تصویریں تھیں (فتح الباری ج10 ص326) جبکہ حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی انگوٹھی میں دو مکھیوں کی تصویریں تھیں۔ (شامی ج1 ص650)۔ حضرت امام ابو یوسف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے

کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہما جیسے صحابہ کرام کی انگوٹھیوں کے نگینوں میں دو شیر نیوں کی تصویریں تھیں (کتاب الآثار حدیث 1028 ص 232) ان تمام آثار سے پتہ چلا کہ ''ذی روح'' کی تصویریں صحابہ اور تابعین کی نظر میں جائز تھیں ورنہ کبھی بھی انکو اپنے پاس اور اپنے گھر میں نہ رکھتے۔

امام اعظم کی رائے

امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا ایک قول امام محمد رضی اللہ عنہ نے نقل فرمایا ہے جس سے امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی نزدیک بھی ان کپڑوں، بستروں، اور تکیوں کے استعمال کا جواز پتہ چلتا ہے جس میں تصویریں ہوں۔ چنانچہ موطا امام محمد میں لکھا ہے۔

ماکان فیہ من تصاویر من بساط یسبط او فراش یفش او وسادۃ فلا باس بذالک انما یکرہ من ذالک فی السقر ومانیصب نصبا و ھوقول ابی حنیفۃ والعامۃ من فقھا ئنا۔ (موطا امام محمد ص 380)

جن کپڑوں، فرش یا تکیوں میں تصویریں ہوں ان کے استعمال میں کوئی حرج نہیں۔ البتہ یہ پردوں میں مکروہ ہیں اور ایسی چیزوں میں جن کو کھڑا کیا جائے۔ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اور عام فقہاء کا یہی قول ہے۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ ان مذکورہ بالا احادیث اور آثار کی روشنی میں خود حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا مذہب اور مختار قول یہی ہے کہ تصاویر کی اگر تعظیم نہیں کی جا رہی ہے تو وہ جائز ہیں اور جن احادیث میں ان کے بنانے والے کے لئے اشد عذاب اور روح ڈالنے کا حکم، اور اس گھر میں فرشتے کے نہ آنے کا ذکر ہے اس سے مراد مجسم تصاویر ہیں یعنی مجسمے ہیں یا وہ تصاویر مراد ہیں جن کی تعظیم کی جاتی ہے۔ اور وہ تصاویر جن کی تعظیم نہیں کی جاتی بلکہ عام طریقہ سے اس کا استعمال کیا جاتا ہے جیسا کہ آج کل فوٹو کا استعمال ہوتا ہے تو یہ نہ تو آنحضرت ﷺ کی نظر میں ناجائز ہیں نہ صحابہ کی نظر میں اور نہ تابعین کی نظر میں ناجائز ہیں اور نہ ہی امام اعظم ابوحنیفہ اور دیگر آئمہ اور فقہاء کی نظر میں ناجائز ہیں ورنہ حضور

ﷺ ان گدوں اور تکیوں کو کبھی بھی استعمال نہ فرماتے بلکہ گھر میں ہی رہنے نہ دیتے جس میں تصویریں بنی ہوئی تھیں جبکہ نہ صرف آپ نے انکو گھر میں رہنے دیا بلکہ آپ نے خود اس تکیہ کو استعمال فرمایا اور اس سے ٹیک لگائی جس میں تصویریں بنی ہوئی تھیں۔ چنانچہ حدیث میں آتا ہے۔

قالت فاتخذت منه نمر قتين فكانتا في البيت نجلس عليها زاد احمد ولقد رأيته متكئا على احد هما و فيها صورة آلخ۔ (مسند احمد بحوالہ عطایا القدیر فی حکم التصویر لامام احمد رضا خان ص 394) بلکہ طبرانی کی ایک اور روایت ہے کہ حضور اکرام ﷺ نے اسکی اجازت دی اس صورت میں جبکہ اس کو روند کر اسکی تذلیل اور تحقیر کی جائے لیکن اگر کھڑا کر کے اسکی تعظیم کی جائے تو اس کو مکروہ سمجھا چنانچہ حدیث کے الفاظ ہیں۔

عن ابی ہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنه عن النبی صلی اللہ علیه وسلم انه رخص فیما کان یوطا و کرہ ماکان منصوبا۔

(الاوسط للطبرانی بحوالہ عطایا القدیر فی حکم التصویر لامام احمد رضا خان ج ا، ص 392)

اور اگر یہ ناجائز ہوتیں تو حضور ﷺ کبھی بھی اسکو گھر میں رکھنے کی اجازت نہ دیتے۔

بہر حال ثابت یہ ہوا کہ مذکورہ بالا احادیث اور آثار اور اقوال آئمہ کی روشنی میں اس زمانہ میں تصویر کے جواز کا علماء نے فتویٰ دیا تھا جبکہ اسکی کوئی خاص ضرورت نہیں تھی جبکہ، اس زمانہ میں تو یہ ایک ایسی ضرورت بن گئی ہے کہ صرف پاسپورٹ، شناختی کارڈ اور سیکورٹی کے انتظامات کے لحاظ سے صرف دنیاوی امور میں ہی نہیں بلکہ دینی اور مذہبی امور کی ترویج واشاعت میں بھی بڑی اہمیت اختیار کر گئی ہے لہٰذا ان حالات میں اشد ضرورت کے باعث اسکے جواز کے فتویٰ میں اب کوئی شک نہیں رہا۔

استفتاء

جناب عالی

چونکہ ہر سال حج بیت اللہ کے موقع پر پی ٹی وی اور دیگر نشریاتی ادارے براہ راست

مناسک حج ریلیے کرتے ہیں۔ جبکہ پاکستان میں بھی رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں شبینہ کی محافل مختلف مساجد سے براہ راست بھی نشر ہوتی ہیں بعد ازاں اس کی ریکارڈنگ بھی دکھائی جاتی ہے۔ اسکے علاوہ پی ٹی وی اذان عشاء کے موقع پر حرم شریف، حجر اسود اور مسجد نبوی کے اندرونی اور بیرونی حصوں کو بھی دکھاتا ہے جبکہ دیگر علمائے کرام، نعت خواں اور قراء حضرات کی تقاریر، نعت خوانی اور قرأت کی ریکارڈنگ کر کے دکھائی اور دیکھی جاتی ہے۔ جبکہ ملک کے مختلف مقامات پر دینی تعلیم اور تبلیغ کے حوالے سے آڈیو اور وڈیو لائبریریاں بھی قائم ہیں۔ خاص طور پر پروفیسر ڈاکٹر طاہر القادری کے ادارہ منہاج القرآن کی جانب سے طاہر القادری کی تقاریر جو کہ انہوں نے کسی نہ کسی مسجد میں کی ہوتی ہیں ویڈیو پر منتقل کر کے پورے عالم اسلام میں دکھائی جاتی ہیں۔

اس تمہید کا مقصد یہ ہے کہ ہم معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ کیا فرماتے ہیں علمائے کرام قرآن وحدیث اور فقہ کی روشنی میں کہ مسجد میں ہونے والی محفل نعت کی ویڈیو تبلیغی مقصد کے لئے بنائی جائے تو کوئی قباحت ہے کہ نہیں۔

براہ کرم اس مسئلے پر ہماری رہنمائی فرمائیں اور تحریری طور پر اپنی بیش قیمت رائے سے ہمیں مستفیض فرمائیں تا کہ سند رہے۔

محمد سلیم میمن

باسمہ سبحانہ

الجواب

جن چیزوں کو دیکھنا اور سننا بغیر ٹی وی، وی سی آر کے جائز ہے ان چیزوں کو ٹی وی اور وی سی آر کے ذریعے دیکھنا اور ان کی فلمیں بنانا جائز ہے جیسے شادی بیاہ، میلاد شریف یا دینی محافل اور سماجی، سیاسی تقریبات وغیرہ کی فلمیں خواہ مسجد میں ہوں یا مسجد کے باہر بالکل جائز ہے۔ لیکن جن چیزوں کا دیکھنا بغیر ٹی وی اور وی سی آر کے بھی درست نہیں جیسے نامحرم عورتوں کا نامحرم مردوں سے میل جول، فحش اور بیہودہ مناظر دیکھنا یہ وی سی آر اور ٹی وی

کے بغیر بھی جائز نہیں اسی طرح ٹی وی اور وی سی آر پر بھی دیکھنا، اسکی فلمیں بنوانا کسی مقام اور کسی آن میں جائز نہیں۔ وہ علماء کرام جو فوٹو اور تصویر کو ناجائز قرار دیتے ہیں ٹی وی اور وی سی آر کے مندرجہ بالا جواز کی صورت جو بیان کی گئی ہے اس کے جواز کے وہ بھی قائل ہیں اور ان کی تحقیق یہ ہے کہ ٹی وی اور وی سی آر کے ذریعہ جو مناظر سامنے اسکرین پر آتے ہیں وہ تصویر کے حکم میں نہیں اور تصویر کے بارے میں ممانعت کے جو نصوص مذکور ہیں وہ اس پر صادق نہیں آتیں۔ کیونکہ جس طرح آواز کی کوئی صورت نہیں ہوتی لیکن اس کو ٹیپ کر لیا جاتا ہے یا اسی طرح ویڈیو کیمرہ کے ذریعے ان کرنوں اور شعاعوں (Rays) کو محفوظ کر لیا جاتا ہے یا براہ راست ان کو بوسٹر کے ذریعہ ٹی وی اسٹیشن سے ٹی وی سیٹس تک پہنچا دیا جاتا ہے۔ یہ باقاعدہ کسی صفحے یا کاغذ پر چھپی ہوئی کوئی تصویر نہیں ہوتی کہ تصویر کا حکم اس پر نافذ ہو بلکہ ویڈیو کیسٹس کے ٹیپ ایک قسم کے مقناطیسی ہوتے ہیں جو مذکورہ شعاعوں کو جذب کرتے ہیں پھر جب انہیں ٹی وی سے منسلک کیا جاتا ہے تو ٹی وی ان ریز اور شعاعوں کو صورت اور عکس میں بدل کر اپنے آئینہ میں یعنی اسکرین پر دکھا دیتا ہے تو گویا یہ صورت آئینہ کی طرح متحرک اور غیر قار ہے جس طرح آئینہ میں کوئی صورت نظر آئے تو وہ جائز ہے اسی طرح یہ بھی آئینہ کی طرح متحرک اور غیر قار ہونے کے بناء پر آئینہ کے مثل شمار ہوگی اور جائز ہوگی۔ مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک فتوے سے بھی اسکی تائید ہوتی ہے انہوں نے فرمایا کہ "باقی رہنے والی صورت کشی حرام ہے"۔

اس سے معلوم ہوا کہ وہ ہی حرام ہے جو باقی رہنے والی اور جاندار اور جامد ہو اور جو مثل آئینہ کے عکس ہو وہ حرام نہیں۔ یہاں بھی یہی صورت ہے کہ یہ صورت آئینہ کے عکس کی مانند ہے اس لیے آئینہ کے عکس کے حکم میں ہوگی نہ کے تصویر کے حکم میں۔ اگر ویڈیو ٹیپ پر دیکھا جائے تو سوائے نقطوں کے کوئی تصویر آپ کو نظر نہیں آئے گی جس طرح انسان جب تک آئینہ کے سامنے ہوتا ہے اس کا عکس نظر آتا رہتا ہے۔ اسی طرح جب تک اس وی سی آر کا یا اسٹیشن کا تعلق اس ٹی وی سیٹ سے رہتا ہے وہ تصویر نظر آتی رہتی ہے۔ جونہی تعلق منقطع ہوا

وہ عکس ختم ہو گیا۔ بہر حال اسکا حکم آئینہ کے عکس کا ہے اور اس علمی تحقیق کو اہل سنت کی نامور شخصیت حضرت غزالی زماں رازی دوراں حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور جانشین محدث اعظم کچھوچھا شریف حضرت سید محمد مدنی اشرفی جیلانی اور مبارک پور اعظم گڑھ کے حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق صاحب جیسے جلیل القدر علماء وفقہاء کی تائید حاصل ہے اور ان محققین کا یہی فتویٰ ہے کہ جائز کاموں کے لئے ٹی وی اور وی سی آر جائز ہے۔ لہٰذا دینی محافل خواہ مساجد میں ہوں یا کہیں اور ان کی ویڈیو بنانا اور اسکا دیکھنا جائز ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اسبال

استفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ پاجامے یا کسی بھی کپڑے کا ٹخنوں سے نیچے کرنے کا کیا حکم ہے؟ بعض لوگ اس پر بہت سختی سے منع کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ایسا کرنا حرام ہے کیونکہ احادیث میں اس پر بہت سخت وعیدیں آئی ہیں۔ برائے کرم تحقیقی جواب عنایت فرمائیں۔

سائل:۔ مولانا مسعود جمال قادری
خطیب جامع مسجد قادری
امانی شاہ کالونی، نمبر 11

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الجواب

ٹخنوں سے پاجامہ، تہبند یا کوئی بھی کپڑا نیچے کرنے کو عربی میں "اسبال" کہتے ہیں اور اس کے تین حکم ہیں۔

1۔ اگر تکبر اور غرور سے نیچے کرتا ہے تو یہ سخت حرام و ناجائز ہے اور اس پر سخت وعیدیں آئی ہیں۔

2۔ اگر بغیر تکبر کے محض فیشن یا تساہل یا عام رواج کے باعث ٹخنوں سے اپنا پاجامہ نیچے کرتا ہے تو یہ حرام اور مکروہ تحریمی نہیں بلکہ جائز ہے اور ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں، زیادہ سے زیادہ مکروہ تنزیہی اور خلاف اولیٰ ہوگا خواہ نماز میں ہو یا نماز سے باہر۔ جس کا یہ

حکم ہے کہ اگر وہ اونچا کرلے تو بہتر ہے اگر نہ کرے تو اس پر کوئی گناہ نہیں، کوئی عذاب نہیں اور اس پر کوئی وعید نہیں۔

3۔ اور اگر کسی بیماری، یا سردی کی وجہ سے یا کسی بھی عذر کی بناء پر ٹخنوں سے پاجامہ نیچے کرتا ہے تو اس وقت بالکل مباح ہوگا اور اس صورت میں مکروہ تنزیہی اور خلاف اولی بھی نہیں ہوگا۔

مندرجہ بالا یہ تینوں احکامات احادیث رسول اللہ ﷺ اور اقوال فقہاء و محدثین سے ثابت ہیں۔

تکبر سے لٹکانا

بخاری شریف کی صحیح حدیث ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔

1۔ ”انّ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لا ینظر اللہ یوم القیامۃ من جرازارہ بطرا“ کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا جو شخص اپنا تہبند بطور تکبر کے لٹکائے گا، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس پر نظر رحمت نہیں فرمائے گا۔

(صحیح بخاری، کتاب اللباس، باب من جر ثوبہ من الخیلاء)

2۔ مسلم شریف میں اسی قسم کی روایت ہے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہ ”ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال لا ینظر اللہ الی من جر ثوبہ خیلاء۔“ آنحضرت ﷺ نے فرمایا جس شخص نے اپنے کپڑے کو تکبر کے طور پر لٹکایا اس پر اللہ تعالیٰ نظر رحمت نہیں فرمائے گا۔ (صحیح مسلم)

3۔ صحاح ستہ کی دوسری کتب ابوداؤد، ابن ماجہ، ترمذی، نسائی میں اسی قسم کی احادیث آئی ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے ”قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من جر ثوبہ مخیلۃ لم ینظر اللہ الیہ یوم القیامہ۔“ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص غرور کی نیت سے اپنا کپڑا لٹکائے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کو مہربانی کی نگاہ سے نہیں دیکھے گا۔ (بخاری/ابوداؤد/ابن ماجہ)

ان تمام صحیح احادیث میں "بطرا، خیلاء، مخیلہ" کی قید ہے جس کے معنی تکبر اور غرور کے ہیں جس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ اگر تکبر اور غرور کی نیت سے لٹکائے گا تو حرام ہے اور ایسے ہی شخص کے لئے وعید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس پر نگاہ رحمت نہیں فرمائے گا۔ لہٰذا ثابت ہوگیا ہے کہ کوئی شخص بغیر تکبر کے لٹکائے تو یہ نہ حرام ہے اور نہ اس کے لئے یہ وعید ہے۔

بلکہ جن احادیث میں مطلقاً ممانعت آئی ہے اور وعیدیں آئی ہیں علماء کرام فرماتے ہیں کہ وہاں بھی تکبر اور غرور کی قید ملحوظ ہوگی اور وہاں بھی اسی قید کا اعتبار ہوگا۔ یعنی ان احادیث میں بھی بطور تکبر لٹکانے کی ممانعت شمار ہوگی۔ چنانچہ اس سے قبل صحیح بخاری میں ایک حدیث مبارک آئی کہ "ما اسفل من الکعبین من الازار ففی النار۔" کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جو کپڑا ٹخنوں سے نیچے ہوگا وہ دوزخ میں لے جائے گا۔ اس حدیث میں چونکہ بظاہر تکبر کی کوئی قید نہیں۔ اس لئے اس کی وضاحت کرتے ہوئے علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "وھذا الاطلاق محمول علی ماورد من قید الخیلاء فھو الذی وردفیه الوعید بالا تفاق" کہ یہ اطلاق محمول ہوگا اسی پر جس میں تکبر کی قید ہے اور وہ وہی ہے جس میں وعید آئی ہے بالاتفاق۔ (فتح الباری ج24، 4501)

اسی طرح امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں۔

"وظو اھرالخدیث فی تقییدھا با لجرخیلاء تدل علی التحریم مخصوص با لخیلاء ھکذانص الشافعی علی الفرق فما نزل عن الکعبین فھو ممنوع فان کان الخیلاء فھو ممنوع منع التحریم و الا فمنع تنزیه واما الاحادیث المطلقه بان ما تحت الکعبین فی النار فالمراد بھا ماکان للخیلاء لانه مطلق فوجب حمله علی المقید" (شرح نووی، صحیح مسلم)

محدثین کی ان عبارات سے ثابت ہوا کہ جن احادیث میں مطلقاً لٹکانے کی ممانعت آئی ہے وہ احادیث بھی اسی تقیید پر محمول ہوں گی اور وہاں بھی اسی غرور اور تکبر والی قید کا اعتبار ہوگا۔ لہٰذا ثابت ہوگیا کہ جو شخص تکبر سے اپنے تہبند یا پاجامہ وغیرہ کو ٹخنوں سے نیچے

لٹکائے گا وہ حرام کا مرتکب ہونے کے باعث سخت گناہگار اور اس سخت ترین وعید کا مستحق ہوگا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس پر نظر رحمت نہیں فرمائے گا۔

بغیر تکبر کے لٹکانا

لیکن اگر کوئی بغیر غرور اور تکبر کے محض رسم و رواج یا فیشن وغیرہ کے مطابق لٹکا لیتا ہے تو وہ نہ حرام ہے نہ ناجائز ہے نہ مکروہ تحریمی ہے نہ گناہ ہے بلکہ صرف مکروہ تنزیہی ہے اور خلاف اولیٰ ہے جس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ یہ کام کرلو تو بہتر اور نہ کرو تو کوئی حرج نہیں۔ کوئی گناہ اور عذاب نہیں۔ اس پر یہ حدیث مبارک دلیل ہے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لٹکایا

"عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قل من جر ثوبہ خیلاء لم ینظر اللہ الیہ یوم القیامۃ قال ابو بکر یا رسول اللہ ان احد شقی ازاری یسترخی الاان اتعاھد ذالک منہ فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لست ممن یصنعہ خیلاء" (صحیح بخاری، جز نمبر 24، کتاب اللباس، باب من جرازارہ من غیر خیلاء ص 484)

حضرت سالم بن محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے والد گرامی یعنی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جس نے اپنا کپڑا غرور کے طور پر لٹکایا تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کی طرف دیکھے گا بھی نہیں۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میرے تہبند کا ایک طرف لٹک جاتا ہے البتہ اگر ہر وقت اس کا خیال رکھوں تو پھر شاید نہ لٹکے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا تم ان لوگوں میں سے نہیں ہو جو تکبر کی راہ سے لٹکاتے ہیں۔

اس حدیث مبارک میں حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے تہبند کے ٹخنوں سے نیچے لٹکنے کا حضور ﷺ سے ذکر کر رہے ہیں اور اس کے جواب میں حضور ﷺ فرما رہے ہیں کہ "تم تکبر سے نہیں کرتے" لہٰذا اس سے واضح طور پر ثابت ہو گیا کہ تکبر کے بغیر لٹکانے میں کوئی حرج نہیں۔ احادیث میں جو ممانعت یا وعیدیں آئی ہیں وہ سب تکبر سے لٹکانے

کیلئے آئی ہیں۔ اگر بغیر تکبر کے کسی اور وجہ سے بھی لٹکانا حرام اور ناجائز ہوتا تو حضور اکرام ﷺ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ فرما کے لٹکانے کی کبھی بھی اجازت نہ دیتے کہ تم تکبر سے نہیں لٹکاتے۔

خود حضور ﷺ نے لٹکایا

اسی طرح بخاری شریف ہی کی ایک اور حدیث ہے جو حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔

"قال خسفت الشمس ونحن عند النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فقام یجر ثوبہ مستعجلا حتی اتی المسجد و تاب الناس فصلی رکعتین ۔الخ"۔

راوی کہتے ہیں کہ ایک دفعہ سورج گرہن ہوا اس وقت ہم نبی کریم ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ کپڑا لٹکائے ہوئے جلدی سے اٹھے، مسجد میں آئے، دوسرے لوگ بھی لوٹ آئے۔ پھر آپ ﷺ نے سورج گرہن کی دو رکعت ادا فرمائیں۔

(صحیح بخاری، کتاب اللباس، باب من جر ازارہ من غیر خیلاء)

اس حدیث مبارکہ میں خود آنحضرت ﷺ کے اپنے تہبند مبارک کو ٹخنوں سے نیچے کرنے کا ذکر آیا ہے جو اس بات کی واضح دلیل ہے کہ مطلقاً ٹخنوں سے کپڑے کا نیچے لٹکانا منع اور حرام نہیں ورنہ اگر یہ حرام ہوتا تو خود حضور ﷺ اپنے قول کے خلاف کبھی نہ کرتے اور ٹخنوں سے نیچے کبھی نہ لٹکاتے، جبکہ اس صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ حضور ﷺ نے ٹخنوں سے نیچے اپنے کپڑے کو لٹکایا ہوا تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ بغیر تکبر کے کپڑے کا لٹکانا منع نہیں، نہ ناجائز اور حرام ہے بلکہ ایسا جائز کام ہے جس کو خود حضور ﷺ نے کیا ہے۔ ہاں البتہ تکبر کے لحاظ سے لٹکانا حرام ہے اور گناہ ہے اور احادیث میں جو وعیدیں آئی ہیں وہ سب تکبر سے لٹکانے کے لئے آئی ہیں۔

امام بخاری کا استدلال

انہی تمام احادیث کے پیش نظر حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی کتاب

صحیح بخاری جسے ''اصح الکتب بعد کلام اللہ'' کہا جاتا ہے اس میں دو باب باندھے ہیں۔ ایک باب کا عنوان ہے ''باب من جر ازاره من غير خيلاء'' یعنی باب کپڑے کو بغیر تکبر کے نیچے لٹکانے کے بیان میں، اور اس باب میں یہی دونوں احادیث درج ہیں جو ابھی راقم الحروف نے تحریر کی ہیں یعنی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اور خود آنحضرت ﷺ کے ٹخنوں سے نیچے کپڑا لٹکانے سے متعلق احادیث، اور دوسرا باب باندھا اس کا عنوان رکھا ''باب من جر ثوبه من الخيلاء'' یعنی باب اس شخص کے بیان میں جو تکبر سے کپڑا لٹکائے، اور اس باب میں وہ احادیث درج کی ہیں جو ابھی اوپر بیان کی گئی ہیں کہ اللہ تعالیٰ ایسے شخص پر نظر رحمت نہیں فرمائے گا، تو گویا یہ دو علیحدہ علیحدہ عنوان سے باب باندھ کر آپ نے واضح فرمادیا کہ مطلقاً کپڑا ٹخنہ سے نیچے لٹکانے کی ممانعت نہیں بلکہ ممانعت اس وقت ہے جب تکبر سے لٹکایا جائے اور اگر تکبر سے نہیں لٹکائے تو یہ جائز ہے کیونکہ خود حضور اکرم ﷺ اور آپ کے پیارے خلیفہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لٹکایا ہے جو ٹخنہ سے نیچے کپڑا لٹکانے کے جواز کی سب سے بڑی دلیل ہے۔

محدثین وفقہاء کا استدلال

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی طرح بڑے بڑے مقتدر محدثین اور فقہاء نے بھی ان احادیث سے یہی استدلال کرتے ہوئے شرعی مسئلہ بیان فرمایا کہ تکبر سے کپڑے کا ٹخنوں سے نیچے لٹکانا حرام ہے اور بغیر تکبر کے جائز ہے صرف مکروہ تنزیہی اور خلاف اولیٰ ہے، چند عبارات پیش خدمت ہیں۔

1۔ احناف کے عظیم محدث علامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں ''وفيه دلالة على ان جر الازار اذالم يكن خيلاء جاز و ليس عليه باس۔'' یہ حدیث دلالت کرتی ہے اس بات پر کہ کپڑے کا ٹخنہ سے نیچے لٹکانا اگر بغیر تکبر کے ہے تو جائز ہے اور اس میں کوئی حرج نہیں۔ (عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری ج22،296،1)

2۔ ایک اور عظیم حنفی محدث حضرت علامہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ شرح مشکوۃ

میں فرماتے ہیں"ان سبب الحرمة فی جر الازار هو الخیلاء"(مرقاۃ) ٹخنوں سے نیچے تہبند وغیرہ لٹکانے کی حرمت کا سبب تکبر ہے۔

3۔ فتاوی عالمگیری میں ہے"اسبال الرجل ازاره اسفل من الکعبین ان لم یکن للخیلاء نفیه کراهه تنزیهة"مرد کا ٹخنوں سے نیچے تہبند وغیرہ لٹکانا اگر ازراہ تکبر نہ ہو تو مکروہ تنزیہی ہے۔(فتاوی عالمگیری)

4۔ علامہ نووی شارح صحیح مسلم فرماتے ہیں"لا یجوز الاسبال تحت الکعبین ان کان للخیلاء فهو ممنوع منع تحریم والا فمنع تنزیه۔" تہبند وغیرہ کا ٹخنوں سے نیچے کرنا جائز نہیں اگر ازراہ تکبر نہ ہو تو مکروہ تنزیہی ہے۔(شرح صحیح مسلم للنووی رمرقات)

5۔ شیخ محقق شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں"(بطریق تکبر و اسراف) ازیں قید معلوم می شود اگر نہ بایں طریق بود حرام نیست لیکن مکروہ است کراہت تنزیہی واگر بجہت عذری باشد مثل مرض و برودت باید کہ مکروہ نہ بود۔"

تکبر اور اسراف کی قید سے معلوم ہو گیا کہ اگر ٹخنوں سے کپڑے کا نیچے کرنا ازراہ تکبر نہ ہو تو حرام نہیں ہے البتہ مکروہ تنزیہی ہے لیکن اگر بیماری یا سردی کی وجہ سے ایسا کرتا ہے تو مکروہ تنزیہی بھی نہیں رہے گا۔ (اشعۃ اللمعات)

6۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں"اگر براہ عجب و تکبر ہے تو قطعاً ممنوع و حرام ہے اور اس پر وعید شدید وارد، اور اگر بوجہ تکبر نہیں تو بحکم ظاہر احادیث مردوں کو بھی جائز ہے۔"لا باس به کما یرشد کت الیه اتقیید با لبطر و المخیله۔" اس سے یہی صورت مراد ہے کہ تکبر اسبال کرتا ہو ورنہ ہرگز یہ وعید شدید اس پر وارد نہیں مگر علماء درصورت عدم تکبر حکم کراہت تنزیہی دیتے ہیں۔

(فتاویٰ رضویہ، جلد 10، ص 99، کتاب الحظر والاباحۃ)

ازار کا گٹوں سے نیچے رکھنا اگر براہ تکبر ہو تو حرام ہے اور اس صورت میں نماز مکروہ تحریمی ورنہ صرف مکروہ تنزیہی اور نماز میں بھی اس کی غایت خلاف اولیٰ ہے(فتاویٰ رضویہ

جلد 3 ص 448)

بلکہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلویؒ نے پاجامہ لٹکانے کی ایک اور صورت بیان فرمائی ہے جس میں کراہت تنزیہی بھی نہیں اور وہ صورت یہ ہے کہ پاجامہ ٹخنوں سے اوپر رہے اگر چہ سامنے سے قدموں کی پشت پر آجائے۔ یہ صورت بالکل بلا کراہت جائز ہے بلکہ اعلیٰ حضرت کی تحقیق کے مطابق یہ صورت خود آنحضرت ﷺ سے ثابت ہے چنانچہ آپ فرماتے ہیں۔

بالجملہ اسبال اگر براہ عجب وتکبر ہے حرام، ورنہ مکروہ اور خلاف اولیٰ نہ حرام و مستحق وعید اور یہ بھی اسی صورت میں ہے کہ پائنچہ جانب پاشنہ نیچے ہوں اور اگر اس طرف کعبین سے بلند ہوں گو پنجہ کی جانب پشت پا پر ہوں ہرگز کچھ مضائقہ نہیں۔ اس طرح کا لٹکانا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بلکہ خود حضور ﷺ سے ثابت ہے۔

"روی ابو داؤد فی سننه قال حدثنا مسردنا یحی عن محمد بن ابی یحی حدثنی عکرمة انه رای ابن عباس یاتزر فیضع حاشیة ازاره من مقدمة علی ظهر قدمه ویرفع موخره قلت لم تاتزر هذه الا زاره قال رأیت رسول الله صلی الله یا تزرها قلت ورجال الحدیث کلهم ثقات عدول ممن یروی عنهم البخاری کما لا یخفی علی الفطن الماهر الفن"

(فتاویٰ رضویہ، جلد 10، ص 99)

مکروہ تنزیہی کا حکم

ان مندرجہ بالا تمام احادیث اور معتبر محدثین اور فقہاء کے اقوال سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ بغیر تکبر کے محض رسم ورواج، فیشن یا عادت کے طور پر اگر ٹخنوں سے پاجامہ یا تہبند وغیرہ نیچے کرلیا جائے تو یہ حرام، مکروہ تحریمی اور ممنوع وناجائز نہیں بلکہ جائز ہے اور ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ زیادہ سے زیادہ مکروہ تنزیہی اور خلاف اولیٰ ہے اور مکروہ تنزیہی کے متعلق امام احمد رضا خان فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ مکروہ تنزیہی اصلاً گناہ نہیں

یہ ہرگز شرعا منہی عنہ نہیں۔(فتاویٰ رضویہ،111ایک،1771/179)

یعنی شرعی طور پر ناجائز اور ممنوع کام نہیں۔رسالہ رکن دین میں بحوالہ درمختار اور نور الانوار لکھا ہے کہ مکروہ تنزیہی وہ ہے جس میں ممانعت شفقتا اور ادبا ہو اور اس کا حکم یہ ہے کہ اس کا کرنے والا فضیلت حاصل کرنے والا ہوگا اور اس کے ترک کرنے والے پر نہ عذاب ہوگا اور نہ عتاب ہوگا۔(رکن دین ص ١٩) اسی کو اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے الفاظ میں یوں بیان فرماتے ہیں کہ یہ صرف مکروہ تنزیہی ہے اور نماز میں بھی اس کی غایت خلاف اولیٰ ہے۔(فتاویٰ رضویہ جلد3، 4481)

دوسرے مقام پر آپ نے فرمایا کہ مکروہ تنزیہی کا مرجع خلاف اولیٰ ہے، حلیہ میں ہے"المكروه تنزيها مرجعه الى خلاف الاولى والظاهر انهما مستويان قال...... (الشافعي) في مكروهات الوضوء المكروه تنزيها يرادف خلاف الاولى ......ونقل قبيله على اللامشي في حد المكروه هو مايكون تركه اولى من فعله وتحصيله.....الخ"۔ (فتاویٰ رضویہ جلد اول ص 170 / 171/175)

جب یہ ثابت ہو گیا کہ بغیر تکبر کے ٹخنوں سے پاجامہ نیچے کرنا کوئی ناجائز اور ممنوع کام نہیں بلکہ مکروہ تنزیہی اور خلاف اولیٰ ہے یعنی اگر کوئی اونچا کرلے تو بہتر ہوگا اور اگر کوئی نہ کرے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں یہ بھی جائز ہے۔اور ایسا کرنے والے پر نہ کوئی گناہ ہے نہ کوئی عذاب ہے نہ عتاب ہے۔تو اب اس مسئلہ پر خواہ مخواہ سختی نہیں کرنی چاہیے۔بعض حضرات زبردستی پاجامے اونچے کرواتے ہیں۔اگر کوئی نہ کرے تو اس کے ساتھ سختی کے ساتھ پیش آتے ہیں۔

ایسے شخص کو بڑا گنہگار اور بڑا فاسق و فاجر سمجھتے ہیں، اس پر لعن طعن کرتے ہیں۔ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنے کو برا سمجھتے ہیں۔حالانکہ یہ سب باتیں غلط ہیں اور شریعت کے خلاف ہیں بلکہ شریعت پر افتراء اور بہتان باندھنے کے مترادف ہیں کیونکہ جب ایک معاملہ میں خود شریعت نے سہولت دے دی ہے تو ہم کون ہوتے ہیں اس میں اپنی طرف

سے سختی کرنے والے۔ شریعت نے جس کو خلاف اولیٰ کہہ دیا وہ خلاف اولیٰ ہی رہے گا۔ کسی مولوی کے حرام کہنے سے وہ حرام نہیں ہو جائے گا بلکہ شریعت کے بیان کردہ خلاف اولیٰ نرم حکم کو کوئی اپنی طرف سے حرام قرار دے کر خواہ مخواہ اس پر سختی کرنے لگے تو شریعت کا حکم بدلنے کے باعث وہ سخت گنہگار ہو گا۔ لہٰذا لوگوں کو اس معاملہ میں تشدد اور غلو کی راہ اپنانے سے گریز کرنا چاہیے۔

برتھ کنٹرول

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

استفتاء

(1)۔ میں (عارف علی) شادی شدہ ہوں ایک بیٹی بھی ہے۔ آج کل ٹی وی پر بہبود آبادی (محدود آبادی) والے لوگوں کو آبادی کنٹرول کرنے کا طریقہ بتا رہے ہیں کہ ماں اپنے بچے کو دو سوا دو سال تک دودھ پلائے اور اس دوران دوسرے بچے کی کوشش نہ کریں۔ اس کو وہ فطری بہبود آبادی کہتے ہیں اس بارے میں اسلامی نقطہ نظر کیا ہے؟

(2)۔ عام طور پر لوگ بچوں کی پیدائش میں مناسب وقفہ رکھنے کے لئے کنڈم استعمال کرتے ہیں۔ ہمارا دین اس بارے میں کیا کہتا ہے کہ اگر آپ کو ابھی اگلے بچے کی خواہش نہیں ہے تو بیوی سے ملیں یا نہ ملیں؟ کیونکہ میرا نظریہ ہے (اور میں اس کی تصحیح بھی چاہتا ہوں) کہ اگر آپ کو ابھی مزید بچے کی خواہش نہیں ہے تو بیوی سے 'جنسی اختلاط' نہ کریں۔

برائے مہربانی ان دو مسئلوں پر میری رہنمائی کیجئے، شکریہ

سید عارف علی
مکان نمبر B-74-8 شاہی بازار
سرے گھاٹ حیدرآباد

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الجواب

خاندانی منصوبہ بندی کے تحت آجکل برتھ کنٹرول یعنی ضبط تولید کے جو طریقے رائج ہیں اس کی مختلف صورتیں ہیں اور ان کے شرعی لحاظ سے مختلف احکامات ہیں جن کی تفصیل یہ ہے۔

عدم جواز کی صورت

اگر بچوں کی پیدائش پر کنٹرول اس نیت اور اس لحاظ سے کیا جاتا ہے کہ ہمارے رزق میں کمی ہو جائے گی یا ہمارے کھانے پینے میں تنگی آ جائے گی تو اس لحاظ سے برتھ کنٹرول کرنا اور اس کے کسی بھی طریقے پر عمل کرنا ناجائز ہوگا کیونکہ یہ قرآن و حدیث کے خلاف ہوگی۔ چند آیات اور احادیث پیش خدمت ہیں۔

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا (ہود:6) ''اور زمین پر چلنے والا کوئی ایسا نہیں ہے جس کا رزق اللہ کے ذمہ کرم پر نہ ہو''۔ جب ہر ذی روح اور ہر جاندار کا رزق اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ کرم پر لے لیا ہے اور اس کو اپنی طرف سے عطا فرمائے گا اور آنے والا اللہ کا دیا ہوا اپنا رزق کھائے گا کسی اور کا رزق نہیں کھائے گا تو اب تصور کرنا کہ یہ ہمارا رزق کھائے گا اور اس کے کھانے سے ہمارے یہاں تنگ دستی آئے گی اور اس غلط تصور کے باعث اس آنے والے کی پیدائش روکنے کی کوشش کرنا یہ سب قرآن کی اس آیت کے سراسر خلاف ہونے کے باعث ناجائز اور حرام ہے۔

خاندانی منصوبہ بندی والے ''کم بچے خوشحال گھرانہ'' اور ''زیادہ بچے تنگدستی و بدحالی'' کا نقشہ کھینچ کر لوگوں کو زیادہ بچے پیدا کرنے سے روکتے ہیں۔ ان سے پوچھو کہ بعض غریب و نادار ایسے ہیں جن کے یہاں صرف ایک بچہ ہے اور پھر بھی فاقے ہو رہے ہیں اور بعض کروڑ پتی ایسے ہیں جن کے یہاں سینکڑوں اولاد در اولاد ہیں لیکن خوب خوشحال ہیں۔ معلوم ہوا کہ رزق کی عطا اللہ نے اپنے ہاتھ میں رکھی ہے وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۲۱۲﴾ (البقرہ) ''وہ جس کو چاہتا ہے بے حساب رزق عطا فرماتا ہے''۔ بچوں کی زیادتی سے رزق پر کوئی فرق نہیں پڑتا اور نہ ہی اس سے رزق میں کوئی کمی واقع ہوتی ہے بلکہ اگر مندرجہ بالا آیت مبارکہ پر غور کیا جائے تو ہر آنے والا اپنا چونکہ علیحدہ رزق لے کر آتا ہے لہٰذا ہر آنے والے کی وجہ سے رزق بڑھتا ہے کم نہیں ہوتا۔

بہرحال اس آیت سے ثابت ہو گیا کہ زمین پر چلنے والے کو خدا رزق دیتا ہے اور وہ کسی

اور کا رزق اور کسی اور کا حصہ نہیں کھاتا بلکہ خدا کی عطا سے اپنا رزق اور اپنا حصہ کھاتا ہے لہٰذا یہ کہہ دینا کہ زیادہ بچوں کے پیدا کرنے سے رزق میں کمی ہو جائے گی بھوک اور افلاس بڑھ جائے گی، ناداری اور غربت پیدا ہو جائے گی لہٰذا بچے کم پیدا کرو یہ غیر اسلامی تصور ہے اور قرآن کے خلاف ہونے کے باعث ناجائز ہے۔

ارشاد رب العزت ہے وَ لَا تَقْتُلُوْۤا اَوْلَادَكُمْ خَشْیَةَ اِمْلَاقٍؕ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَ اِیَّاكُمْؕ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِیْرًا۝ (بنی اسرائیل) ”اور اپنی اولاد کو قتل نہ کرو مفلسی کے ڈر سے۔ ہم انہیں بھی رزق دیں گے اور تمہیں بھی بیشک ان کا قتل بہت بڑی خطاء ہے“۔ یعنی گناہ کبیرہ ہے۔

جاہلیت کے دور میں اہل عرب اپنی بچیوں کو مفلسی کے ڈر سے کہ ان کو کہاں سے کھلائیں گے، پلائیں گے، کہاں سے ان کے جہیز وغیرہ کا بندوبست کریں گے اس لیے وہ ان کو پیدا ہوتے ہی زندہ درگور کر دیا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ایسا کرنے سے منع فرمایا اور اس کو گناہ کبیرہ قرار دیا۔

یہ آیت مبارکہ برتھ کنٹرول پر بھی واضح طور پر صادق آتی ہے کیونکہ ”عزل“ اس کو کہتے ہیں کہ اپنی بیوی سے جب صحبت کی جائے تو وقت انزال عضو مخصوص کو باہر نکال لیا جائے۔ یہ برتھ کنٹرول کی ایک صورت ہے جو آنحضرت ﷺ کے زمانہ اقدس میں صحابہ کرام کے درمیان رائج تھی۔ جب اس کے متعلق صحابہ کرام نے آپ ﷺ سے پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا ”ذلک الواد الخفی“ کہ یہ ایک قسم کا مخفی طور پر زندہ درگور کرنا ہے (صحیح مسلم، کشف الغمہ عن جمیع الامہ، عبد الوہاب شعرانی، ج2 ص78) جب کہ مذکورہ بالا آیت میں ”املاق“ یعنی رزق کی تنگی اور فقیری و تنگدستی کے ڈر سے بچوں کو زندہ درگور کرنے کی ممانعت آئی ہے اور اس کو قتل قرار دیتے ہوئے اس کو گناہ کبیرہ قرار دیا گیا ہے اور اس حدیث کی رو سے حضور ﷺ کے ارشاد کے مطابق جب عزل بھی ایک قسم کا زندہ درگور کرنا ٹھہرا تو وہ بھی قتل میں شمار ہو کر اس آیت مبارکہ کے بموجب ناجائز اور حرام ٹھہرے گا لیکن چونکہ بعض

دوسری احادیث میں عزل کی اجازت آئی ہے اس لئے ان دونوں قسم کی احادیث میں تطبیق دیتے ہوئے ہم اس ممانعت والی حدیث کو "خوف فقر" پر محمول کریں گے تا کہ حدیث اس آیت مبارکہ کی صحیح تفسیر بھی بن جائے اور عزل کی دوسری اجازت والی احادیث سے اس کا تعارض بھی اٹھ جائے لہٰذا اب حدیث کے معنی یہ ہوں گے کہ جس طرح وہ فقر کے خوف سے بچوں کو زندہ درگور کیا کرتے تھے اسی طرح اگر تم بھی فقر کے خوف سے عزل کرو گے تو گویا یہ ایک طرح کا معنوی طور پر زندہ درگور کرنا ہوگا اور اس کا وہی گناہ ہوگا جو ان کو ہوتا تھا۔

اب اس حدیث کی روشنی میں آیت مبارکہ کے معنی یہ ہوں گے کہ خوف فقر سے ظاہری طور پر بچوں کو زندہ درگور کر کے ان کو قتل کرنا یا عزل کے ذریعے باطنی اور معنوی طور پر زندہ درگور کر کے قتل کرنا یہ سب گناہ کبیرہ ہیں اور شرعی لحاظ سے ناجائز اور حرام ہیں۔

حدیث مبارک سے بھی برتھ کنٹرول کی اس صورت کی حرمت کا پتہ چلتا ہے حدیث مبارک ہے

عن عبد اللہ قال سئلت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ای الذنب اعظم عند اللہ قال ان تجعل للہ ندا و ھو خلقک قال قلت لہ ان ذالک لعظیم قال قلت ثم ای قال ثم ان تقتل ولدک مخافۃ ان یطعم معک قال قلت ثم ان تزانی حلیلۃ جارک۔

"حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضور ﷺ سے پوچھا کہ سب سے بڑا گناہ اللہ کے نزدیک کیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم کسی چیز کو اللہ تعالیٰ کا شریک بناؤ حالانکہ اس نے تم کو پیدا کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا واقعی یہ بہت بڑا گناہ ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا پھر اس کے بعد سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ تو اپنے بچہ کو اس خوف سے قتل کرے کہ وہ تیرے ساتھ کھائے گا میں نے عرض کیا پھر اس

کے بعد؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کے بعد سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ تو اپنے پڑوسی کی بیوی سے بدکاری کرے"۔

(صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان کون الشرک اقبح الذنوب ص186)

اس حدیث مبارکہ میں فقر اور تنگ دستی اور رزق میں تنگی کے خوف سے بچہ کے زندہ قتل کرنے کو آنحضرت ﷺ نے شرک کے بعد سب سے بڑا گناہ قرار دیا ہے جب کہ مندرجہ بالا حدیث سے فقیر نے ثابت کر دیا ہے کہ برتھ کنٹرول بھی ایک قسم کا مخفی اور معنوی قتل ہے لہٰذا یہ بھی اس حدیث کے باعث فقر کے خوف سے اگر کیا جائے تو سخت ناجائز اور حرام ٹھہرے گا۔

یہود ونصاری نے ایک سازش کے ذریعے مسلمانوں کے دلوں میں زیادہ بچے پیدا کرنے کی برائی اور نفرت بٹھانے کی کوشش کی ہے اور کم بچوں کی اچھائی ان کے دلوں میں جاں گزیں کرنے کی کوشش کی ہے لہٰذا ان کی پرفریب چالوں میں آکر اگر کوئی مسلمان بطور فیشن کے اس نظریہ پر عمل کرتا ہے اور کم بچے پیدا کرنے کو اچھا سمجھتے ہوئے زیادہ بچے پیدا کرنے کو نفرت اور کراہت کی نظر سے دیکھتا ہے تو وہ بھی ناجائز کام کر رہا ہے اور سخت حرام کا مرتکب ہو رہا ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ نے اپنی امت کی زیادتی پر فخر فرمایا ہے اور متعدد احادیث میں زیادہ بچے پیدا کرنے کی ترغیب دلائی ہے لہٰذا حضور ﷺ جس پر فخر کریں اور جس کو اچھا فرمائیں تو کوئی مسلمان اس کو نفرت اور حقارت کی نگاہ سے دیکھے اور اس کو برا سمجھتے ہوئے اس کو ترک کرے تو وہ نہ صرف یہ کہ سخت گناہگار ہوگا بلکہ ایسے شخص کے تو ایمان کے ضائع ہونے کا خطرہ ہے۔

اب ذرا وہ احادیث ملاحظہ فرمایئے جس میں امت کی زیادتی پر فخر اور بچوں کی کثرت کے ساتھ پیدائش کی ترغیب نکلتی ہے۔

الف:۔ عن معقل بن یسار قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تزوجوا الودود الولود فانی مکاثر بکم الامم۔

”حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ نکاح کرو اس عورت سے جو خاوند سے محبت کرنے والی ہو اور بہت جننے والی ہو اس لیے کہ بیشک میں تمہاری کثرت اور زیادتی کے باعث دوسری امتوں پر فخر کروں گا“۔ (مشکوۃ المصابیح بحوالہ ابوداؤد، نسائی، کتاب النکاح)

ب:۔ تناکحوا تکثروا فانی اباھی بکم الامم یوم القیامۃ حتی بالقسط۔

”حضور ﷺ نے فرمایا کہ نکاح کرو اور نسل بڑھاؤ کیونکہ میں تمہاری کثرت کی وجہ سے قیامت کے دن دوسری امتوں پر فخر کروں گا خواہ یہ کثرت نامکمل بچہ کی وجہ سے ہی کیوں نہ حاصل ہو“۔

(المعرفۃ للبیہقی تفسیر ابن مردویہ)

ان احادیث سے ثابت ہوا کہ آبادی کی کثرت اور زیادتی معیوب چیز نہیں بلکہ ہمارے نبی ﷺ کی نگاہ میں بڑی محبوب چیز ہے یہ لائق نفرت نہیں بلکہ قابل فخر عمل ہے۔ آبادی کی زیادتی اور کثرت نہ صرف یہ کہ قیامت کے دن دوسری امتوں کے مقابلہ میں حضور ﷺ کے لیے فخر کا باعث ہوگی بلکہ دنیوی لحاظ سے بھی معاشی، معاشرتی، اقتصادی، سائنسی، سیاسی، صنعتی، تعلیمی الغرض دنیاوی زندگی کے ہر میدان اور ہر شعبہ میں مسلمانوں کی ترقی کا باعث ہوتی ہے اور دشمن پر رعب و ہیبت اور ان کو مغلوب کرنے اور جنگ و مقابلہ کے وقت ان کو شکست سے دوچار کرنے اور اپنے نظریہ دین کو غالب کرنے میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ دشمنان اسلام کو مسلمانوں کی کثرت کے باعث ان کی ترقی اور میدان جہاد میں ان کی کامیابی اور ان کے دین کے غلبہ کا خوف دن رات کھائے جاتا ہے اس لیے انہوں نے خاندانی منصوبہ بندی کا پرفریب نعرہ لگا کر مسلمانوں کو آبادی کم کرنے کی ترغیبیں دیں اور اس منصوبے پر کروڑوں روپے خرچ کیے۔ یہی سب سے بڑی دلیل ہے اس بات کی کہ آبادی کی

کثرت مسلمانوں کے لیے مضر نہیں بلکہ مفید ہے ورنہ ہمارے ازلی دشمن یہود و نصاریٰ اس پروگرام پر کبھی کروڑوں ڈالر خرچ نہ کرتے۔ وہ لوگ جو ساری دنیا میں مسلمانوں کو پریشان کر رہے ہیں ہر ہر جگہ پر ان کو تباہ کرنے کے منصوبوں پر عمل کر رہے ہیں وہ ایسے پروگراموں پر کروڑوں ڈالر کیوں خرچ کریں گے جہاں مسلمانوں کی ترقی اور ان کے عروج و ارتقاء کا باعث ہوگا۔ وہ تو ہر اس منصوبے میں حصہ لیتے ہیں اور اپنا پیسہ بے دریغ خرچ کرتے ہیں جس میں مسلمانوں کی تباہی اور تنزلی کی صورت نکلتی ہے۔ لہٰذا خاندانی منصوبہ بندی کے منصوبوں میں یہود و نصاریٰ کی دلچسپی اور اس میں ان کا تعاون اور امداد اس بات کا بین ثبوت اور دلیل ہے کہ یہ منصوبہ مسلمانوں کے لیے مفید نہیں بلکہ مضر ہے اور اسلام کی روح کے منافی ہے۔ لہٰذا جو شخص بطور نفرت اور کراہت کے ان سے اجتناب کرتا ہے وہ سخت ترین گناہگار ہے۔

جواز کی صورت

ہاں اگر کوئی شخص برتھ کنٹرول پر عمل اس لحاظ سے اور اس نیت سے کرتا ہے کہ وہ زیادہ بچوں کی اچھی دینی اور اخلاقی تربیت نہیں کر سکے گا یا ان کو صحیح طریقہ سے تعلیم نہیں دلا سکے گا یا بچہ کی پیدائش جاری رہنے پر اس کی ماں کی جان جانے یا اس کے شدید بیمار ہو جانے کا خدشہ ہو یا چند چھوٹے چھوٹے بچوں کا پالنا پوسنا ان کی نگہداشت کرنا اس بچہ کی ماں کے بس میں نہ ہو ان سب کا سنبھالنا اس کے لیے مشکل مسئلہ بن رہا ہو یا لڑائی جھگڑے اور خانگی پریشانیوں اور مشکلات کی وجہ سے وہ بچہ پیدا کرنا نہ چاہتے ہوں یا عورت اپنے حسن و خوبصورتی اور جمال کو قائم اور دیرپا رکھنے کے لئے ابھی بچہ کی پیدائش نہ چاہتی ہو یا آدمی اپنی آمدنی کے محدود وسائل کے باعث اپنی اولاد کی صحیح تربیت اور نشو و نما کے لائق اپنے آپ کو نہیں پاتا ہو یا جن عورتوں کے بچے آپریشن سے ہوتے ہوں تو ان کو آپریشن کی تکلیف سے بچانا مقصود ہو تو ان تمام صورتوں میں برتھ کنٹرول پر عمل کرنا شرعی لحاظ سے جائز ہے۔

اور اس سلسلہ میں بچہ کی پیدائش سے اجتناب و احتراز اور بچنے کے جو طریقے اختیار

کیے جاتے ہیں ان میں مندرجہ ذیل طریقے شرعی طور پر جائز ہیں مثلاً

1۔ جماع کے وقت عزل کرنا (اس کی تشریح اوپر گزر چکی ہے)۔

2۔ چھلہ یعنی لوپ (Loop) کا استعمال کرنا۔

3۔ ساتھی (Condom) کا استعمال کرنا۔

4۔ کیمیاوی اشیاء (Chemical Methods) وغیرہ مثلاً موم جیلی اور کریم وغیرہ کا استعمال۔

5۔ ڈایافرام۔

لیکن یہ مندرجہ بالا صورتیں اس وقت جائز ہیں جب میاں بیوی دونوں اس پر راضی ہوں کیونکہ جماع میں لذت اور اولاد کا حصول دونوں کا حق ہے جب کہ ان صورتوں میں جزوی طور پر اپنے حق سے دستبرداری ہے کیونکہ اس میں کم لذت کا حصول ہے۔ لہٰذا ایسی حالت میں یہ تمام صورتیں اسی وقت جائز ہوں گی جب دونوں میاں بیوی باہم رضامندی سے اپنے اپنے حق سے دستبردار ہونے کے لیے تیار ہوں۔

سوائے ان صورتوں کے جن میں عورت کی جان کو شدید بیماری اور نقصان کا اندیشہ ہو اس وقت شوہر کی رضامندی کی ضرورت نہیں بلکہ اس صورت میں تو جان بچانے کی خاطر برتھ کنٹرول پر عمل کرنا ضروری اور واجب ہوگا بلکہ اس صورت میں تو نل بندی (Tubal Ligaion) کی بھی اجازت ہے۔ اس صورت میں عورت کا آپریشن کر کے ہمیشہ کے لئے بچہ پیدا کرنے کی صلاحیت ختم کر دی جاتی ہے۔ یہ صورت وہ ہے جس کی عام طور سے شریعت میں اجازت نہیں لیکن اگر بچہ کی پیدائش کی وجہ سے عورت کی جان کو خطرہ لاحق ہو تو اس صورت میں شرعی لحاظ سے اس آپریشن کے ذریعہ برتھ کنٹرول کرانے کی اجازت ہے۔

دلائل جواز

برتھ کنٹرول کی جو صورتیں اوپر ذکر کی گئی ان کے جواز کی دلیل مندرجہ ذیل احادیث شریفہ ہیں جن میں عزل کی آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام سے اجازت ثابت ہوتی ہے۔

عزل اسے کہتے ہیں کہ بیوی سے صحبت کے دوران انزال کے وقت عضو مخصوص کو باہر کرلیا جائے تو چونکہ یہ بھی برتھ کنٹرول کی ایک صورت ہے جو حضور ﷺ کے زمانے میں رائج تھی اور حضور ﷺ نے اس کی اجازت بھی عطا فرمائی تھی لہٰذا اس سے ثابت ہوا کہ برتھ کنٹرول مع مذکورہ بالا تمام صورتوں کے شرعی لحاظ سے جائز ہے۔

عن عطاء سمع جابرا انه قال كنا نعزل و القرآن ينزل۔

عطاء کا بیان ہے کہ میں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب قرآن حکیم نازل ہو رہا تھا تو ہم عزل کیا کرتے تھے۔

وعن عمر و عن عطاء عن جابر قال كنا نعزل على عهد النبی صلی الله علیه وسلم والقرآن ينزل۔

دوسری روایت میں آتا ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ کے مبارک زمانہ میں ہم عزل کرتے حالانکہ قرآن مجید نازل ہو رہا تھا یعنی قرآن میں اس کی ممانعت کا حکم نازل نہیں ہوا جب کہ مسلم شریف کی روایت میں ہے کہ ہمیں ایسا کرنے سے حضور اکرم ﷺ نے منع نہیں فرمایا۔

عن جابر رضی الله عنه ان رجلا اتى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال ان لي جارية هي خادمنا و سانيتنا و انا اطوف عليها و انا اكره ان تحمل فقال اعزل عنها ان شئت فانه سياتيها ما قدر لها فلبث الرجل ثم اتاه فقال ان الجارية قد حبلت فقال قد اخبرتک انه سياتيها ما قدر لها۔

"حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ میری ایک باندی ہے جو ہمارے گھر کا کام کاج کرتی ہے اور پانی لاتی ہے اور میں اس سے مباشرت بھی کرتا ہوں اور

اس کے حاملہ ہونے کو ناپسند کرتا ہوں آپ ﷺ نے فرمایا اگر تم چاہو تو اس سے عزل کر لو لیکن جو تقدیر میں لکھا ہے وہ ہو کر رہے گا۔ چنانچہ کچھ دنوں کے بعد وہ شخص آیا اور کہنے لگا کہ باندی حاملہ ہو گئی ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے تو تم سے پہلے ہی کہا تھا کہ جو تقدیر میں ہونے والا ہے وہ ہو جائے گا"۔ (مسلم کتاب النکاح باب العزل ج 3 ص 877)

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لو ان الماء الذی یکون منه الولد صب علی صخرة لاخرج اللہ منها ولدا ولیخلقن اللہ تعالیٰ نفسا هو خالقها۔

"حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے حضور اکرم ﷺ سے عزل کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا جس پانی سے بچہ پیدا ہونا ہے اگر تم اس کو پتھر پر بھی ڈال دو گے تو اللہ تعالیٰ اس سے بھی بچہ پیدا کر دے گا"۔

(مسند احمد، صحیح ابن خزیمۃ، مسند بزاز، کشف الغمہ، جلد 2 ص 78)

نهی عن العزل عن الحرة الا باذنها۔

"کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آزاد عورت سے اس کی اجازت کے بغیر عزل سے منع کیا گیا ہے"۔ (مسند احمد، سنن ابی ماجہ)

تستامر الحرة فی العزل ولا تستامر الامة السرية فان کنت تحت حر فعليه ان يستامرها۔

"حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آزاد عورت سے عزل میں اجازت لی جائے اور باندی سے اجازت نہ لی جائے اور اگر باندی آزاد مرد کے نکاح میں ہو تو اس پر لازم ہے کہ اس سے عزل کی اجازت لے"۔

(مصنف عبد الرزاق، کشف الغمہ ج 2 ص 78)

ان مندرجہ بالا احادیث کی روشنی میں ثابت ہوا کہ عزل کرنا عورت کی رضامندی سے جائز ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام سے عزل کی اجازت ثابت ہے۔ یہی امام اعظم ابوحنیفہ وامام مالک اور امام احمد بن حنبل کا مذہب ہے۔ فقہ حنفی کی معتبر کتاب ہدایہ میں بھی احناف کا یہی مذہب بیان کیا گیا ہے (ہدایہ مع فتح القدیر، علامہ ابوالحسن مرغینانی ج 8 ص 472-473) چونکہ عزل برتھ کنٹرول کی صورت ہے جب عزل احادیث کی روشنی میں اور اقوال فقہاء سے ثابت ہو گیا تو برتھ کنٹرول کا جواز بھی یقیناً ثابت ہو گیا۔

ناجائز طریقے

برتھ کنٹرول کے مندرجہ بالا طریقوں کے علاوہ کچھ طریقے ایسے ہیں جن کی شریعت نے برتھ کنٹرول کی مندرجہ بالا صورتوں میں بھی اجازت نہیں دی ان کی تفصیل یہ ہے۔

1۔ نس بندی (Vasec Tomy)

یعنی مرد کا آپریشن کر دینا کہ جس سے مرد میں بچہ پیدا کرنے کی صلاحیت ہی ختم ہو جائے اس طریقہ پر عمل کرتے ہوئے برتھ کنٹرول کی کسی بھی صورت کی شریعت نے اجازت نہیں دی۔ اس کی دلیل یہ حدیث مبارکہ ہے۔

انه سمع سعد بن ابی وقاص رضی الله عنه یقول اراد عثمان بن مظعون رضی الله عنه یتبتل فنهاه رسول الله صلی الله علیه وسلم و لو جاز له ذالک لاختصینا۔

"حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ نے عورتوں سے علیحدگی کا ارادہ کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو ایسا کرنے سے منع فرمادیا اور اگر آپ ان کو اجازت دے دیتے تو ہم سب خصی ہو جاتے"۔

(صحیح مسلم کتاب النکاح باب استحباب النکاح ج 2 ص 781)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آپریشن وغیرہ کے ذریعے مرد کو اپنی قوت مردانگی ختم کرنے کی اجازت نہیں۔ برتھ کنٹرول کا یہ طریقہ شرعی طور پر جائز نہیں ہے۔ عورت کی نال بندی بھی اسی حکم میں آتی ہے اور وہ بھی جائز نہیں۔

2۔ جماع نہ کرنا

برتھ کنٹرول کا طریقہ یہ بھی ہے کہ بیوی سے علیحدہ رہا جائے اور اس سے صحبت و مجامعت نہ کی جائے لیکن ابھی اوپر جو حدیث گزری ہے اس سے معلوم ہوتا کہ یہ طریقہ بھی ناجائز ہے کیونکہ جب حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ نے عورتوں سے علیحدگی کی اجازت چاہی تو آپ ﷺ نے ان کو منع فرما دیا لہٰذا ثابت ہوا کہ یہ صورت بھی ناجائز ہے۔ عقل بھی یہی کہتی ہے کہ جب جماع نہیں کرے گا تو پھر شادی کا مقصد فوت ہو جائے گا۔

3۔ اسقاط

یعنی حمل گرانا برتھ کنٹرول کی ایک یہ بھی صورت ہے کہ عورت کے پیٹ میں جو حمل ہے اس کو آپریشن یا دواؤں کے ذریعہ گرا دیا جائے۔ اس کی دو صورتیں ہیں پہلی صورت تو یہ ہے کہ استقرار حمل کے چار ماہ بعد گرایا جائے اور دوسری صورت یہ ہے کہ چار ماہ ہونے سے پہلے گرایا جائے اور رحم کو صاف کرالیا جائے پہلی صورت ناجائز ہے اور دوسری جائز ہے۔

دلیل صورت اولیٰ

پہلی صورت کے ناجائز ہونے کی دلیل یہ ہے کہ حدیث مبارک کی رو سے چار ماہ بعد ایک بچہ بن جاتا ہے اور جان پڑ جاتی ہے لہٰذا ایسی صورت میں اس کا حمل گرانا ایک بچہ کو قتل کرنا شمار ہوگا جب کہ قرآن پاک میں صاف طور پر قتل اولاد اور کسی بھی آدمی کے قتل کرنے کی سخت ممانعت آئی ہے لَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ (الاسراء: 31) جو آیت پہلے گزری ہے وہ اس پر نص صریح ہے لہٰذا یہ صورت ناجائز ہے جب کہ چار ماہ بعد مکمل بچہ بن جانے اور اس میں روح پڑ جانے پر یہ حدیث مبارک دلیل ہے۔

قال عبد الله حدثنا رسول الله صلى الله عليه وسلم و

هوا الصادق المصدوق قال ان احد کم یجمع حلقه فی بطن امه اربعین یوما نطفة ثم یکون علقةمثل ذالک ثم یکون مضغةمثل ذالک ثم یبعث الله ملکا و یؤمر باربع کلمات و یقال له اکتب عمله و رزقه و اجله و شقی او سعید ثم ینفخ فیه الروح۔

''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اور آپ بہت سچے ہیں کہ تمہارا نطفہ اپنی ماں کے پیٹ میں چالیس دن رہتا ہے پھر اللہ تعالیٰ اس کو جما ہوا خون بنا دیتا ہے پھر چالیس دن بعد اللہ تعالیٰ اس کو گوشت کا لوتھڑا بنا دیتا ہے پھر چالیس دن بعد اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ بھیجتا ہے اور اس کو حکم دیتا ہے کہ اس کا رزق، اس کی موت، اس کا شقی یا سعید ہونا لکھ دو پھر اس میں روح پھونک دی جاتی ہے۔'' (صحیح بخاری جلد اول صفحہ 456)

ایسی صورت کے متعلق ابن تیمیہ نے اس کی حرمت پر اجماع کا قول کرتے ہوئے لکھا ہے۔

اسقاط حمل حرام با جماع المسلمین وهو من الواد الذی قال تعالی و اذا الموءوة سئلت بای ذنب قتلت۔

اسقاط حمل کے حرام ہونے پر مسلمانوں کا اجماع ہے اور وہ اسی زندہ درگور کرنے کے حکم میں داخل ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قیامت کے دن زندہ درگور کی جانے والی معصوم بچیوں سے پوچھا جائے گا کہ آخر تمہیں کس جرم میں قتل کیا گیا تھا۔ (فتاوی ابن تیمیہ جلد 4 صفحہ 218)

لیکن اس اسقاط کے حرام ہونے کے باوجود اگر کوئی ایسی خطرناک صورت پیدا ہوگئی ہے کہ حمل برقرار رکھنے کے باعث عورت کی ہلاکت یقینی ہو تو ایسی صورت میں چار ماہ بعد بھی اسقاط جائز ہوگا کیونکہ اس صورت میں بچہ کی زندگی ظنی ہے جب کہ ماں کی جان اور زندگی یقینی ہے لہٰذا ماں کی جان اور اس کی زندگی کو ترجیح دیتے ہوئے چار ماہ بعد بھی اسقاط جائز ہوگا۔

دلیل صورت ثانیہ

چار ماہ سے پہلے اگر اسقاط کرایا جائے تو یہ جائز ہوگا کیونکہ اس وقت تک وہ بچہ نہیں بنتا بلکہ محض نطفہ ہوتا ہے جس کا آپریشن کے ذریعہ صاف کرانا بالکل ایسا ہی ہے جیسے عزل کے ذریعہ نطفہ کا ضائع کرنا جب عزل کی اجازت احادیث سے ثابت ہوگئی (سابقہ اوراق میں) تو اس صورت کا جواز بھی خود بخود ثابت ہو جائے گا کیونکہ یہ کسی جاندار کا قتل تو نہیں ہے اس لیے کہ ابھی جان نہیں پڑی لہٰذا یہ ایک بے جان پانی یا لوتھڑے کا ضائع کرنا ہے جس کا شمار قتل اور موؤدت یعنی زندہ درگور کرنے میں ہرگز نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ اس پر یہ حدیث مبارک شاہد ہے۔

"کانت لنا جواری و کنا نعزل فقالت الیھود ان تلک الموؤدة الصغری فسئل رسو ل اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال کذبت الیھود لو اراد اللہ خلقه لم تستطع رده"۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہمارے پاس لونڈیاں تھیں جن سے ہم عزل کرتے تھے یہودیوں نے کہا کہ یہ زندہ درگور کرنے کی چھوٹی صورت ہے پھر حضور ﷺ سے اس بارے میں پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہودی جھوٹ بولتے ہیں اگر اللہ تعالیٰ پیدا کرنا چاہے تو تم اس کو روک نہیں سکتے۔ (جامع ترمذی، سنن نسائی)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عزل یعنی نطفہ کا ضائع کر دینا یہ قتل اور موؤدت میں شمار نہیں ہوگا۔ تو چونکہ چار ماہ سے قبل کا اسقاط یہ بھی ایک طرح کا عزل ہے یعنی محض نطفہ کا ضائع کرنا ہے لہٰذا حدیث بالا کی رو سے یہ بھی جائز ہوگا اور اس کا قتل اور موؤدت میں شمار نہیں کیا جائے گا اسی لیے علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

وینتزع من حکم العزل حکم معالجة المراة اسقاط النطفة قبل نفخ الروح فمن قال بالمنع ھناک ففی ھذا اولی و من قال بالجواز یمکن ان یلتحق به ھذا و یمکن

ان يفرق بانه اشد لان العزل لم يقع فيه تعاطى السبب و معالجة السقط تقع بعد تعاطى السبب ويلتحق بهذه المسئله تعاطى المراة ما يقطع الحبل من اصله وقد افتى بعض متاخرى الشافعية بالمنع وهو مشكل على قولهم با باحة العزل مطلقا۔

"روح پھونکنے سے پہلے عورت نطفہ کے اخراج کے لیے جو علاج کرتی ہے اس کے حکم کو عزل پر قیاس کیا جاسکتا ہے جو فقہاء عزل کو منع کرتے ہیں وہ اس کو بطریق اولیٰ منع کرتے ہیں اور جو عزل کو جائز کہتے ہیں وہ ممکن ہے اس کو بھی جائز قرار دے دیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ اس میں فرق کریں کہ عزل میں کسی خارجی سبب کا دخل نہیں جب کہ اسقاط میں خارجی اسباب کا دخل ہے اور جو عورتیں سرے سے حمل ساقط کرادیتی ہیں اس کو بھی اس پر قیاس کیا جاسکتا ہے۔ بعض متاخرین شافعیہ نے اسقاط کو ناجائز کہا ہے لیکن جب وہ عزل کو مطلقاً جائز کہتے ہیں تو اسقاط کو ناجائز قرار دینا مشکل ہوگا۔

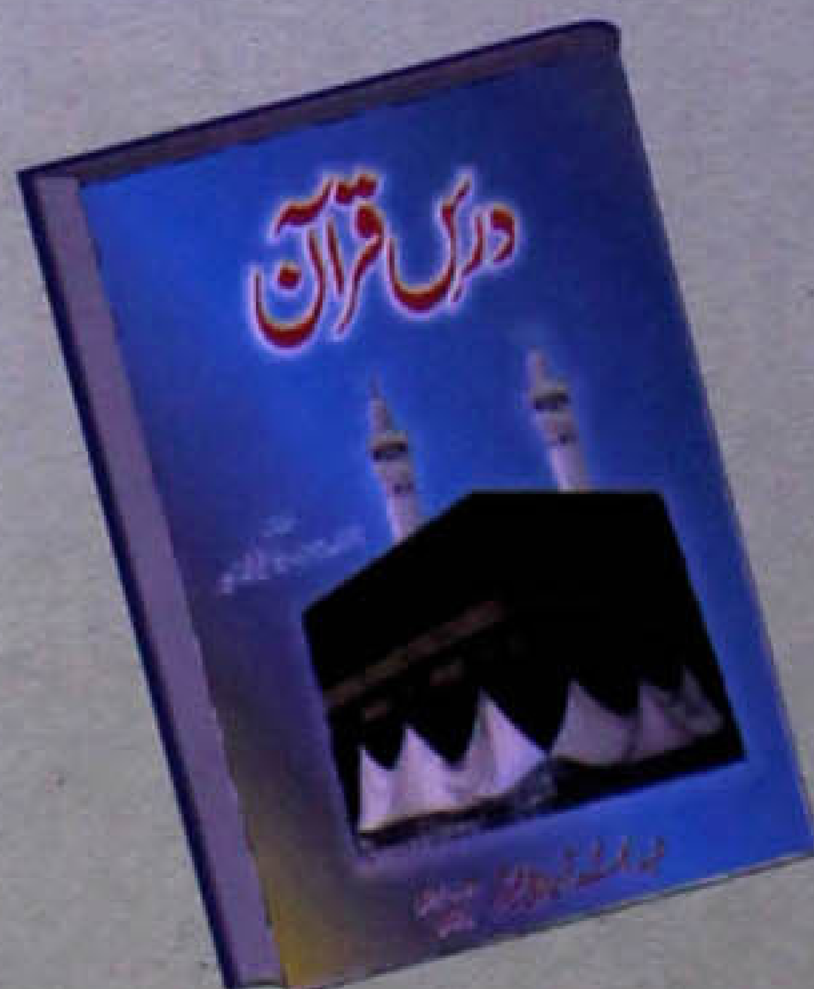
(فتح الباری، ابن حجر عسقلانی ج9 ص310)

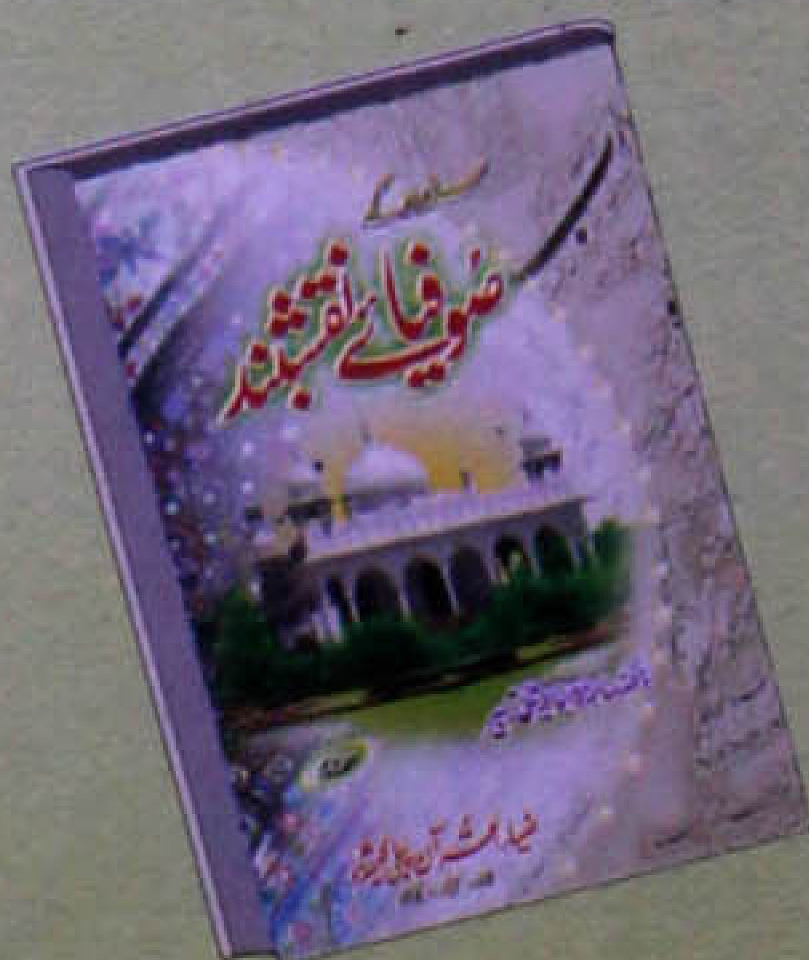
علامہ حسن بن منصور نے فتاویٰ قاضی خان میں اگرچہ اپنی ذاتی رائے اس کی مخالفت میں دی ہے لیکن دیگر فقہاء کی جو رائے نقل کی ہے اس سے بھی اس صورت کا جواز ثابت ہوتا ہے، وہ لکھتے ہیں "واذا سقط الولد بالعلاج قالو ان لم يستبن شئى من خلقه لا تاثم"۔ جب عورت علاج کے ذریعے پیٹ کو صاف کرائے تو اس مسئلہ میں فقہاء نے یہ کہا ہے کہ اگر بچہ کی بناوٹ ظاہر نہیں ہوئی تو کوئی حرج نہیں (فتاویٰ قاضی خان علیٰ ہامش الہندیہ ج3 ص410)۔ بہرحال ثابت یہ ہوا کہ اسقاط کی یہ صورت بھی جائز ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔


امام ربانی اور
اتباع رسول گرامی


درس حدیث


گناہگار
اور
رحمت پروردگار


درس قرآن


صوفیائے نقشبند